

دیکھی ہوئی دنیا

(جلد سوم)

بحرِ میت	📍	موتہ	📍	جورڈن	📍
بحیرہ طبریہ	📍	دجال کا مقتل: دُ	📍	مسجدِ اقصیٰ	📍
طورِ سینا	📍	اسکندریہ	📍	قاہرہ	📍
وادیِ تہ	📍	جنتی ندی: نیل	📍	بحرِ قلزم	📍

افادات

مُفْتِی مَحْمُودِ دِن مَوْلَانَا سَلِیْمَان جَا فِظْ بَحْیَا زِدْ وَلِی جَفِظْ اَللّٰہُ تَعَالٰی

ناشر

نُورَانی مَکَاتِب

www.nooranimakatib.com

تفصیلات

- کتاب کا نام : دیکھی ہوئی دنیا (جلد سوم)
- افادات : حضرت مولانا مفتی محمود صاحب حافظ جی بارڈولی
- صفحات : ۲۶۴
- نیا ایڈیشن : ذوالحجہ ۱۴۴۲ھ، مطابق: جون ۲۰۲۱ء
- ناشر : نورانی مکاتب

کتاب ملنے کا پتہ

نورانی پبلیکیشن -- نورانی مکاتب

8140902756

بارڈولی

مریم مسجد، گاندھی روڈ، بارڈولی

ڈابھیل

محمودنگر، ڈابھیل، نوساری، گجرات

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
❁	پیش خدمت: حضرت الاستاذ قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری	۲۲
❁	پیش لفظ	۲۳
❁	سفر کے متعلق چند ضروری ہدایات	۲۶
مصر کے سفر کی کارگزاری		
۱	رفقائے سفر کے اسمائے گرامی	۳۰
۲	بخارا، سمرقند کی کارگزاری کی مقبولیت	۳۲
۳	مصر جانے کی چاہت اور مصر کا سفر	۳۲
۴	مصر سے ہمارا ایمانی و روحانی رشتہ اور قرآن میں مصر کا تذکرہ	۳۳
۵	وادئِ سینا بھی مصر میں ہے	۳۵
۶	مصر نام کی وجہ	۳۵
۷	مصر سے ایمان تازہ کرنے والا روحانی رشتہ	۳۶
۸	یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ مصر میں پیش آیا	۳۷
۹	موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے	۳۷
۱۰	حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں	۳۸
۱۱	حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات اور دفن کا عجیب واقعہ	۳۹
۱۲	بنی اسرائیل مصر میں	۴۰

۱۳	حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی مصر میں وفات پائی	۴۰
۱۴	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلی مرتبہ مصر سے نکلنا	۴۰
۱۵	قارون کے دھسنے کا واقعہ مصر میں پیش آیا	۴۱
۱۶	مصر کی ایک اور شخصیت ”ہامان“ کا قرآنی تذکرہ	۴۱
۱۷	لفظ فرعون کی ایک تحقیق	۴۲
۱۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام	۴۳
۱۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا واقعہ بھی مصر میں پیش آیا	۴۳
۲۰	جادو گر اور مصر	۴۳
۲۱	آج کل مصر میں جادو گر ہیں؟	۴۴
۲۲	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادو گر	۴۴
۲۳	قرآن میں ایک مصری مرد مؤمن کی یادیں	۴۵
۲۴	سامری اور مصر	۴۵
۲۵	سامری کی تحقیق	۴۶
۲۶	بنی اسرائیل ایک زمانے تک مصر میں رہے	۴۷
۲۷	حضرت لقمان علیہ السلام کا مزار بھی مصر میں ہے	۴۷
۲۸	دنیا کی سب سے بڑی جنتی ندی: نیل بھی مصر میں ہے	۴۷
۲۹	دریائے نیل جاری ہونے کا ایمان افروز واقعہ	۴۸
۳۰	قاہرہ ہوائی اڈے پر	۵۰
۳۱	سفر کے موقع پر دعا کروانا حدیث سے ثابت ہے	۵۱
۳۲	سلطان صلاح الدین ایوبی کے بنوائے ہوئے قلعے میں	۵۱

۵۱	بیر یوسف	۳۳
۵۲	مصریوں کے جیم کو گاف سے بدلنے پر ایک لطیفہ	۳۴
۵۳	جبل مقطم کی فضیلت	۳۵
۵۳	ایک قابل توجہ بات	۳۶
۵۴	اہل بیت کے مزارات پر	۳۷
۵۵	جیزہ: یوسف علیہ السلام کے زمانے کا اصل مصر	۳۸
۵۵	فسطاط شہر بننے کا عجیب قصہ: اسلام میں پرندوں کے حقوق کی رعایت	۳۹
۵۶	اہرام مصر کی زیارت	۴۰
۵۷	اہرام کب بنے؟	۴۱
۵۷	اہرام کی عجیب و غریب تفصیل: دو (۲) ٹن کا ایک پتھر	۴۲
۵۸	سات سو پچپن (۷۵۵) فٹ اونچائی	۴۳
۵۸	صدیاں گزر گئیں؛ لیکن معمولی شگاف تک نہیں پڑا	۴۴
۵۸	ابوالہول کا مجسمہ	۴۵
۵۹	برّ اعظم افریقہ میں قائم ہونے والی سب سے پہلی مسجد	۴۶
۵۹	اس مسجد کی روحانیت و برکات کا حال	۴۷
۶۰	مصر کا ایک گاؤں جہاں کا ہر بچہ حافظ قرآن ہے	۴۸
۶۳	وَأَوْثِنْهُمَا إِلَى رَجُوعَةِ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ	۴۹
۶۴	مصر کے میوزیم میں	۵۰
۶۶	فرعون اور اس کی لاش	۵۱
۶۸	ایک حبشی عورت کا ایمانی جذبہ	۵۲

۵۳	جامع ازہر	۶۸
۵۴	جامعہ الازہر؛ ازہر یونیورسٹی	۶۹
۵۵	وکیل الازہر سے ملاقات	۶۹
۵۶	جامع الحسین علیہ السلام	۷۰
۵۷	مصحف عثمانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ مبارک	۷۰
۵۸	علامہ بدرالدین عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے مزارات	۷۱
۵۹	شرم اشین کی طرف	۷۱
۶۰	بحرِ قلزم جس میں فرعون غرق کیا گیا تھا	۷۲
۶۱	باری تعالیٰ کی عجیب حکمت	۷۲
۶۲	عجیب انداز کے راستے	۷۳
۶۳	بحرِ قلزم کے کنارے ”سمک موسیٰ“ کی خواہش	۷۳
۶۴	”کوہ طور“ کی طرف	۷۴
۶۵	رات کو تقریباً ایک بجے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا	۷۴
۶۶	رات کو پہاڑ پر چڑھنے کی حکمت	۷۵
۶۷	کوہ طور پر چڑھتے ہوئے سورہ طہ کی تلاوت کی لذت	۷۶
۶۸	اس درخت کی زیارت جس پر اللہ کی تجلی کا نور اترتا تھا	۷۶
۶۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا واقعہ	۷۷
۷۰	بیوی کو جمع کے صیغے سے خطاب	۷۸
۷۱	فاخلع نعلیک کی وجہ اور اس پر عمل کی سعادت	۷۹
۷۲	زیتون کے درخت	۸۰

۴۳	مدین کا کنواں	۸۰
۴۴	جس زیتون کے تیل کا ذکر قرآن میں ہے اس کی خریداری کی سعادت	۸۱
۴۵	سونے کا بچھڑا	۸۲
۴۶	سامری اور اس کے بچھڑا بنانے کا قصہ	۸۲
۴۷	اس پڑیا میں کونسی مٹی تھی؟	۸۳
۴۸	سامری کی پرورش حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کی تھی	۸۳
۴۹	آواز والا بچھڑا	۸۴
۸۰	بچھڑے کی تصویر والا پتھر	۸۵
۸۱	مقام ہارون علیہ السلام کی زیارت	۸۵
۸۲	مقام صالح علیہ السلام کی زیارت	۸۵
۸۳	آبارِ موسیٰ	۸۶
۸۴	عیونِ موسیٰ	۸۶
۸۵	وادیِ تیه میں	۸۷
۸۶	جیل میں بھی نوازشاتِ الہیہ	۸۸
۸۷	نہرِ سوئز (Suez Canal)	۸۸
۸۸	اسکندریہ شہر	۸۹
۸۹	اسکندریہ کا کتب خانہ	۸۹
۹۰	صاحبِ قصیدہ بُردہ علامہ بو صیرؒ کے شیخ کے مزار پر	۹۰
۹۱	”سمکِ موسیٰ“ کھانے کی سعادت	۹۰
۹۲	حضرت لقمان علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار پر	۹۱

۹۲	قاہرہ میں: درخت سے کاغذ	۹۳
۹۲	سیدنا حضرت عقبہ بن عامر ؓ کا مزار	۹۴
۹۳	فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص ؓ کا مزار مبارک	۹۵
۹۳	دیگر صحابہ ؓ کے مزارات	۹۶
۹۴	امام زلیعی، عزالدین ابن عبدالسلام اور علامہ سیوطی کے مزارات	۹۷
۹۴	سید احمد کبیر رفاعی کے مزار پر	۹۸
۹۴	سید احمد کبیر رفاعی کی کرامت	۹۹
۹۴	علامہ عبدالوہاب شعرانی	۱۰۰
۹۵	جو میری قبر پر مصافحہ کرے اس کی بھی مغفرت	۱۰۱
۹۶	دیگر ائمہ و اصحاب امام مالک کے مزارات پر حاضری	۱۰۲
۹۶	حضرت یحییٰ اندلسی مالکی	۱۰۳
۹۶	اپسین سے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، حدیث پڑھنے آیا ہوں	۱۰۴
۹۷	ذوالنون مصری کے مزار پر	۱۰۵
۹۸	ابن عطاء اسکندرئی کے مزار پر	۱۰۶
۹۸	ابن عطاء الاسکندرئی کے حالات زندگی: نام و نسب	۱۰۷
۹۸	مذہب اور علمی مقام	۱۰۸
۹۸	مشائخ و تلامذہ	۱۰۹
۹۹	کرامات	۱۱۰
۱۰۰	وفات	۱۱۱
۱۰۰	احناف کے بیرسٹر ابن ہمام کے مزار پر	۱۱۲

۱۰۱	امام شاطبیؒ کے مزار پر	۱۱۳
۱۰۲	کتے سے بچنے کا مجرب وظیفہ	۱۱۴
۱۰۲	امام شاطبیؒ کے مختصر حالات و تعارف	۱۱۵
۱۰۳	حصولِ علم اور تعلیمی اسفار	۱۱۶
۱۰۳	تدریسی زندگی کے چند گوشے	۱۱۷
۱۰۴	ایک عظیم الشان تالیف ”شاطبیہ“	۱۱۸
۱۰۴	اوصاف و کمالات	۱۱۹
۱۰۶	وفات	۱۲۰
۱۰۶	امام ورش، وکیع بن الجراح، شیخ زکریا انصاریؒ کے مزارات پر	۱۲۱
۱۰۷	ابن حجر عسقلانیؒ کا مزار	۱۲۲
۱۰۷	امام طاہر ابن غلبونؒ کے مزار پر	۱۲۳
۱۰۷	امام طاہر ابن غلبونؒ کی بیٹی کا عبرت ناک واقعہ	۱۲۴
۱۰۸	مصر کو آج پھر سے ایک یوسف کی ضرورت ہے	۱۲۵
شام اور فلسطین کی کارگزاری		
۱۱۲	شام اور فلسطین کے سفر کے رفقا	۱۲۶
۱۱۴	ملکِ شام	۱۲۷
۱۱۴	ملکِ شام کے فضائل	۱۲۸
۱۱۵	دینی و دنیوی برکات	۱۲۹
۱۱۵	اہلِ شام کی کفالت	۱۳۰

۱۱۶	شام کے لیے برکت کی دعا اور اس میں معجزہ	۱۳۱
۱۱۶	شام کے لیے خوش خبری	۱۳۲
۱۱۷	فقتوں کے زمانے میں ایمان شام میں	۱۳۳
۱۱۷	بیت المقدس اسلامی مملکت کا جز	۱۳۴
۱۱۷	بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کا مسکن و محشر کی سرزمین	۱۳۵
۱۱۸	دوسرے فضائل	۱۳۶
۱۱۹	ملک شام سے دل چسپی کا سبب اور سفر کی خواہش	۱۳۷
۱۲۰	مسجد اقصیٰ کے چند فضائل قرآن و حدیث کی روشنی میں	۱۳۸
۱۲۱	شنیدہ کے بُد مانند دیدہ	۱۳۹
۱۲۲	ہمارا ملک شام کا سفر	۱۴۰
۱۲۲	”پناما“ اور ”ملاوی“ میں تفصیلی کارگزاری	۱۴۱
۱۲۳	متبرک مقامات کی زیارت کے لیے رہنما اصول	۱۴۲
۱۲۳	ایک اہم کام	۱۴۳
۱۲۴	ترتیب و اسفر کی کارگزاری	۱۴۴
۱۲۴	اللہ تعالیٰ آخرت کا انگریشن بھی آسانی سے پار فرما دے!	۱۴۵
۱۲۴	آج کے دن ہمارا پروگرام کیا رہے گا؟	۱۴۶
۱۲۵	پہلی زیارت: اصحاب کہف کے غار کی طرف	۱۴۷
۱۲۵	اصحاب کہف اور ان کی غار کا پس منظر اور ان کا زمانہ	۱۴۸
۱۲۸	عقیدہ کی بات	۱۴۹
۱۲۸	کیا یہی اصحاب کہف کا غار ہے؟	۱۵۰

۱۲۹	ایک تفسیر وحدیث کے ماہر شامی عالم کی غار میں ملاقات	۱۵۱
۱۳۰	غار کی حالت	۱۵۲
۱۳۱	اصحاب کہف کے تبرکات	۱۵۳
۱۳۱	غار کا پیچھے کا دروازہ	۱۵۴
۱۳۱	ایمان کی خاطر قربانی دینے کا بدلہ: نظام کائنات ان کے تابع کر دیا گیا	۱۵۵
۱۳۲	کتے کے غار میں نہ جانے کا ایک عجیب تفسیری نکتہ	۱۵۶
۱۳۴	اصحاب کہف کی یادگار مسجد	۱۵۷
۱۳۴	اس مسجد کی حالت اور بندے کی ایک خوش نصیبی	۱۵۸
۱۳۴	اصحاب کہف کے مقام پر نئی مسجد	۱۵۹
۱۳۵	دین کی خاطر اپنے جذبات کو قربان کرنے والے جوانوں کی انخ	۱۶۰
۱۳۵	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے مزار پر	۱۶۱
۱۳۶	حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا مختصر تعارف	۱۶۲
۱۳۶	زمانہ بعثت	۱۶۳
۱۳۶	حضرت یوشع علیہ السلام کا قرآن میں دو جگہ ذکر	۱۶۴
۱۳۷	حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے سورج کا غروب ہونے سے رُک جانا	۱۶۵
۱۳۸	حضرت یوشع علیہ السلام کی وفات	۱۶۶
۱۳۸	حضرت یوشع علیہ السلام کے مزار کی تحقیق	۱۶۷
۱۳۹	اتنا لمبا مزار کیوں؟	۱۶۸
۱۴۰	پہاڑ پر سے زیتون کے درخت کا پر کیف منظر	۱۶۹
۱۴۱	سات عدد زیتون	۱۷۰

۱۴۱	زیتون کے سات قرآنی مقامات	۱۷۱
۱۴۲	مسجد اقصیٰ کے گنبد کا دل کش منظر	۱۷۲
۱۴۲	جورڈن کا جائے وقوع	۱۷۳
۱۴۲	عمواس کا جائے وقوع	۱۷۴
۱۴۳	طاعونِ عمواس	۱۷۵
۱۴۳	عمواس کے دونوں حصوں کی زیارت کا شرف	۱۷۶
۱۴۳	پیارے صحابہ کے مزار کی طرف	۱۷۷
۱۴۴	حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف و مناقب	۱۷۸
۱۴۴	ایمان کی کفر پر جیت: بیٹے کے ہاتھ باپ کا قتل	۱۷۹
۱۴۵	آمینُ هذه الامة کا لقب	۱۸۰
۱۴۶	جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نگاہ میں آپ کا مقام	۱۸۱
۱۴۶	ملکِ شام کی فوج کے امیر	۱۸۲
۱۴۷	حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا دل دہلا دینے والا ایک واقعہ	۱۸۳
۱۴۸	طاعون سے بچانے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط	۱۸۴
۱۴۹	ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا جواب	۱۸۵
۱۴۹	جواب پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو	۱۸۶
۱۵۰	حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات	۱۸۷
۱۵۰	حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر	۱۸۸
۱۵۱	حضرت ضرار بن اذور رضی اللہ عنہ کا تعارف	۱۸۹
۱۵۱	حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کی وفات کہاں ہوئی؟	۱۹۰

۱۵۱	حضرت ضرار ؓ تحفظِ ختمِ نبوت کے محاذ پر	۱۹۱
۱۵۳	عربوں کی ایک اچھی عادت	۱۹۲
۱۵۴	موت کا تعارف	۱۹۳
۱۵۴	غزوہ موت کا سبب	۱۹۴
۱۵۵	اشارہ شہادت	۱۹۵
۱۵۵	غزوہ موت کے تینوں امیروں کا مختصر تعارف: حضرت زید بن حارثہ ؓ	۱۹۶
۱۵۶	ابتدائی حالات	۱۹۷
۱۵۶	حضرت زید ؓ دربار رسالت میں	۱۹۸
۱۵۶	حضرت زید ؓ اسلام کے سایہ میں	۱۹۹
۱۵۷	حضرت زید ؓ کی ایک نرالی شادی	۲۰۰
۱۵۷	حضرت زید ؓ کے والد کی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری	۲۰۱
۱۵۸	آپ ﷺ کا حضرت زید ؓ کو اختیار دینا	۲۰۲
۱۵۸	اس غلامی پر سینکڑوں آزادیاں قربان	۲۰۳
۱۵۹	صرف محبت کا دعویٰ کافی نہیں	۲۰۴
۱۵۹	حضرت زید ؓ کی والد کی حیرت	۲۰۵
۱۵۹	آزادی کا پروانہ اور زید ابن محمد بننے کی سعادت	۲۰۶
۱۶۱	صرف ایک صحابی حضرت زید ؓ کا نام صراحتاً قرآن میں	۲۰۷
۱۶۲	دوسرے امیر لشکر: حضرت جعفر ؓ کا تعارف	۲۰۸
۱۶۳	نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر ؓ کی جان دار تقریر	۲۰۹
۱۶۳	اسلام کا عمدہ تعارف	۲۱۰

۲۱۱	تیسرے امیر لشکر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	۱۶۵
۲۱۲	اخلاق و عادات	۱۶۵
۲۱۳	فضل و کمال	۱۶۶
۲۱۴	ان کی شاعری کا واقعہ	۱۶۶
۲۱۵	جامع موتہ میں جمعہ کی نماز کی سعادت	۱۶۷
۲۱۶	حضرت جعفر، عبداللہ بن رواحہ، زیدؓ کے مزارات پر دلوں کی کیفیت	۱۶۷
۲۱۷	ایک نعمت غیر مترقبہ: اسلامی وضع قطع کی برکات	۱۶۸
۲۱۸	مدین کے قریب	۱۶۹
۲۱۹	موتہ کا میدان اور قاصدِ رسول حضرت حارث بن عمیرؓ کا مزار	۱۷۰
۲۲۰	بحرِ میت	۱۷۱
۲۲۱	بحرِ میت کا تعارف	۱۷۱
۲۲۲	جدید محققین کی رائے	۱۷۲
۲۲۳	سدوم	۱۷۳
۲۲۴	حضرت لوط علیہ السلام	۱۷۳
۲۲۵	اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی قوم لوط کی کچھ برائیاں الخ	۱۷۴
۲۲۶	مال لوٹنے کی عجیب چال بازی	۱۷۶
۲۲۷	عجیب طرح کی نا انصافی	۱۷۷
۲۲۸	قوم لوط پر عذاب	۱۷۸
۲۲۹	بحرِ میت کی طرف	۱۷۸
۲۳۰	افسوس! عذاب کی جگہ تفریح گاہ	۱۷۹

۱۷۹	مجرموں کے نام لکھے ہوئے پتھر	۲۳۱
۱۸۰	آج بھی عذاب کے اثرات	۲۳۲
۱۸۰	حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار کی طرف	۲۳۳
۱۸۱	مدین اور اصحابِ ایکہ ایک ہیں یا الگ الگ؟	۲۳۴
۱۸۲	حضرت شعیب علیہ السلام کی قبر	۲۳۵
۱۸۳	مدین	۲۳۶
۱۸۳	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کون ہیں؟	۲۳۷
۱۸۶	مدین جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال گزارے	۲۳۸
۱۸۶	قرآن میں مدین کا ذکر	۲۳۹
۱۸۷	فلسطین	۲۴۰
۱۸۷	فلسطین کا قضیہ	۲۴۱
۱۸۹	فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ کس طرح ہوا؟	۲۴۲
۱۹۰	فلسطین ترکوں کی عمل داری میں	۲۴۳
۱۹۰	سلطنتِ عثمانیہ کی حمیت وغیرتِ ایمانی: تاریخی جواب	۲۴۴
۱۹۱	یہودیوں کا انگریزوں سے معاہدہ	۲۴۵
۱۹۱	انگریزوں کی طرف سے یہودی ریاست کی تشکیل کا اعلان	۲۴۶
۱۹۲	مسلمانوں سے زمینیں خریدنے میں پانی کی طرح پیسہ بہانا	۲۴۷
۱۹۲	مقامی علما کی مخالفت اور دیگر ممالک کے علما سے فتویٰ طلب کرنا	۲۴۸
۱۹۳	جورڈن کی موجودہ دینی حالت اور اس تبدیلی کی اہم وجہ	۲۴۹
۱۹۴	ایک درد بھری اپیل: خدارا موبائل و انٹرنیٹ کے غلط استعمال الخ	۲۵۰

۲۵۱	نمبر اُردن	۱۹۵
۲۵۲	سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا	۱۹۸
۲۵۳	شہر اریحہ کا تعارف	۱۹۹
۲۵۴	آپ ﷺ کا لعابِ دہن ہر بیماری کے لیے شفا	۲۰۰
۲۵۵	ملکِ شام کی برکت کا نظارہ	۲۰۱
۲۵۶	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار	۲۰۱
۲۵۷	مقام موسیٰ علیہ السلام	۲۰۲
۲۵۸	عداوت کی وجہ سے اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا انکار	۲۰۳
۲۵۹	گجراتی میں بات کرنے کا فائدہ	۲۰۳
۲۶۰	”مادب“ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی	۲۰۴
۲۶۱	بیت المقدس کا تعارف	۲۰۵
۲۶۲	مسجد اقصیٰ کی عجیب و غریب تعمیر	۲۰۵
۲۶۳	مسجد کے افتتاح کی تقریب اور دعا	۲۰۶
۲۶۴	مسجد کے افتتاح کی خوشی میں دعوت	۲۰۷
۲۶۵	مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے والے کے لیے سلیمانؑ کی پانچ دعائیں	۲۰۸
۲۶۶	مسجد اقصیٰ کی تعمیر اور سلیمانؑ کی وفات کے متعلق دوسری روایت	۲۰۸
۲۶۷	جناتوں پر دیمک کا احسان	۲۰۹
۲۶۸	بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ میں فرق	۲۰۹
۲۶۹	برکت کا ایک نمونہ	۲۱۰
۲۷۰	مسجد اقصیٰ میں ظہر کی نماز کی سعادت	۲۱۰

۲۱۰	اصل مسجد اقصیٰ	۲۷۱
۲۱۱	نور کا دریا	۲۷۲
۲۱۲	جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع	۲۷۳
۲۱۲	تانے کا چشمہ	۲۷۴
۲۱۲	تیل کا کنواں اور مسجد اقصیٰ کے لیے تیل بھیجنے کی فضیلت	۲۷۵
۲۱۳	مسجد مروان بن عبد الملک اور مسجد براق	۲۷۶
۲۱۴	اس گہوارے کی زیارت جہاں عیسیٰ نے سب سے پہلے کلام کیا تھا	۲۷۷
۲۱۵	حضرت مریم علیہا السلام کے محراب (کمرہ) کی زیارت	۲۷۸
۲۱۶	قبۃ الصخرہ	۲۷۹
۲۱۷	قدرتی چٹان	۲۸۰
۲۱۷	دنیا پرست پادریوں کے مذموم کردار کی ایک جھلک	۲۸۱
۲۱۸	قبۃ الصخرہ کی تعمیر	۲۸۲
۲۱۸	قبۃ الصخرہ کی کیفیت اور خوب صورتی	۲۸۳
۲۱۹	مسجد قبۃ الصخرہ	۲۸۴
۲۲۰	مجاہد اعظم مولانا محمد علی جوہر کا مزار	۲۸۵
۲۲۰	حضرت سلیمان علیہ السلام کا مزار اور جیل خانہ	۲۸۶
۲۲۱	چٹان کے نیچے ایک قدرتی غار	۲۸۷
۲۲۱	قبۃ الصخرہ کے فضائل	۲۸۸
۲۲۲	ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ	۲۸۹
۲۲۳	حضرت سلیمان علیہ السلام کا محراب و تخت	۲۹۰

۲۲۳	چرج اور مسجد عمرؓ	۲۹۱
۲۲۴	چرج کی چیزوں کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے	۲۹۲
۲۲۵	بیت المقدس آج کسی عمرِ ثالث کے انتظار میں !!!	۲۹۳
۲۲۵	حضرت عمرؓ کا نصاریٰ کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کا مضمون	۲۹۴
۲۲۶	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا مختصر تعارف	۲۹۵
۲۲۷	آہ! اے صلاح الدین ایوبی !!!	۲۹۶
۲۲۸	سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی خانقاہ کی طرف	۲۹۷
۲۲۸	حضرت عباد بن صامتؓ اور شداد بن اوسؓ کے مزار پر	۲۹۸
۲۲۸	حضرت عباد بن الصامتؓ کا تعارف	۲۹۹
۲۲۹	حضرت شداد بن اوسؓ کا تعارف	۳۰۰
۲۳۰	حضرت شمویلؑ کا مزار	۳۰۱
۲۳۱	۱۵ تاریخ اتوار کا دن: مدینۃ الخلیل کی طرف	۳۰۲
۲۳۱	حالات خراب ہونے کے باوجود وہاں جانے کا شوق	۳۰۳
۲۳۲	کرفیو جیسے ماحول میں اطمینان سے مدینۃ الخلیل میں داخلہ	۳۰۴
۲۳۲	مسجدِ ابراہیمی میں بابرکت ہال	۳۰۵
۲۳۳	حضرت ابراہیمؑ کی قبر شریف کی زیارت کے آداب	۳۰۶
۲۳۴	سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ	۳۰۷
۲۳۵	سیدنا حضرت اسحاقؑ	۳۰۸
۲۳۵	وہ خوش نصیب عورت جو ایک نبی کی بیوی، ایک نبی کی بہو اور الخ	۳۰۹
۲۳۶	سیدنا حضرت یعقوبؑ	۳۱۰

۲۳۷	سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام	۳۱۱
۲۳۸	حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہمارے لیے عبرت	۳۱۲
۲۳۹	حضرت شمعون علیہ السلام کا مزار	۳۱۳
۲۳۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ کی زیارت	۳۱۴
۲۴۰	حضرت مریم علیہا السلام کی قبر عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھائے جانے کی جگہ	۳۱۵
۲۴۰	حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳۱۶
۲۴۱	نزول وحی اور دعوت و تبلیغ کا آغاز	۳۱۷
۲۴۱	خطبہ کوہ	۳۱۸
۲۴۲	آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت آپ علیہ السلام کی عمر	۳۱۹
۲۴۲	بنی اسرائیل کی شرارت، آپ علیہ السلام کی بددعا سے خنزیر بن جانا	۳۲۰
۲۴۲	حضرت زکریا علیہ السلام کا مزار	۳۲۱
۲۴۳	حضرت داؤد علیہ السلام کے مزار کی زیارت	۳۲۲
۲۴۳	سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کا مختصر تعارف	۳۲۳
۲۴۴	حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک اور مختصر تعارف	۳۲۴
۲۴۴	جنتی دسترخوان اترنے کی جگہ	۳۲۵
۲۴۶	۱۶ تاریخ: دعوت و تبلیغ سے جڑے ہوئے ایک ساتھی کی ملاقات	۳۲۶
۲۴۶	اسرائیل کا پایہ تخت: تل ابیب کی طرف	۳۲۷
۲۴۶	تل ابیب میں دعوت و تبلیغ کا مرکز	۳۲۸
۲۴۷	”لد“ شہر	۳۲۹
۲۴۷	باب لد پر لکھا ہوا جملہ: ہنایخ رج ملک السلام	۳۳۰

۳۳۱	دجال کا تعارف	۲۴۸
۳۳۲	دجال صرف چالیس دن دنیا میں رہے گا	۲۴۸
۳۳۳	نبوت و خدائی کا دعویٰ	۲۴۸
۳۳۴	لوگوں کی آزمائش کے لیے خرقِ عادت چیزوں کا ظہور	۲۴۸
۳۳۵	مکہ اور مدینہ میں داخلہ سے روک دیا جائے گا	۲۴۹
۳۳۶	ایک بزرگ کا دجال سے مناظرہ	۲۵۰
۳۳۷	یہودیوں کے غرقِ ندی درخت کے اگانے کی مہم کی وجہ	۲۵۱
۳۳۸	دجال کے قتل ہونے کی جگہ کی زیارت	۲۵۲
۳۳۹	وہ کنواں جس میں قتل کے بعد دجال کو ڈالا جائے گا	۲۵۲
۳۴۰	عمواس شہر کی زیارت	۲۵۳
۳۴۱	طاعونِ عمواس میں شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات پر	۲۵۳
۳۴۲	صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزار پر دعا کا عجیب منظر	۲۵۴
۳۴۳	حضرت صالح علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت	۲۵۴
۳۴۴	امام الحدیث ”امام نسائی“ کے مزار کی زیارت	۲۵۵
۳۴۵	۱۷ ارتاتِ نخ اس سفر کا آخری دن	۲۵۵
۳۴۶	حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا گاؤں ”ناصرہ“	۲۵۵
۳۴۷	یافا اور حضرت یونس علیہ السلام	۲۵۶
۳۴۸	حضرت یونس علیہ السلام کا مزار	۲۵۷
۳۴۹	حضرت الیاس علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت	۲۵۷
۳۵۰	سلطان صلاح الدین کی یادگار میدانِ جنگ	۲۵۸

۲۵۸	بحیرہ طبریہ کی طرف	۳۵۱
۲۵۸	طبریہ شہر	۳۵۲
۲۵۹	بحیرہ طبریہ: جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے	۳۵۳
۲۵۹	یاجوج ماجوج بحیرہ طبریہ کا سب پانی پی جائیں گے	۳۵۴
۲۵۹	بحیرہ طبریہ کا خشک ہو جانا دجال کے نکلنے کی ایک علامت	۳۵۵
۲۶۰	اس وقت بحیرہ طبریہ کی حالت: پانی سوکھ رہا ہے	۳۵۶
۲۶۰	بیسان کا نخلستان	۳۵۷
۲۶۱	بیسان کے متعلق حضرت تیم داری علیہ السلام کو دجال کا سوال	۳۵۸
۲۶۱	اس وقت بیسان کا حال: کہیں پر کھجور نظر نہیں آئے	۳۵۹
۲۶۲	عین زغر	۳۶۰
۲۶۲	طالوت اور جالوت کے جنگ کا میدان اور امام طبرانی کا وطن	۳۶۱
۲۶۳	جنگ یرموک کا میدان	۳۶۲
۲۶۴	مجموعی تاثرات	۳۶۳



پیش خدمت

امام الفن حضرت الاستاذ قاری و مقری احمد اللہ صاحب قاسمی

بھاگلپوری دامت برکاتہم العالیہ

درجہ عربی دوم سے لے کر دورہ حدیث شریف تک حضرت سے تجوید و قرأت پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، درجہ عربی دوم ہی سے حضرت الاستاذ نے تجوید کے گھنٹے میں اور دیگر اوقات میں بندے کو حدر سنانے کا موقع عنایت فرمایا، ماشاء اللہ! بہت ہی محبت اور محنت کے ساتھ تجوید اور قرأت سب سے بھی پڑھائی، اور دوسری بھی بہت ساری خصوصی؛ بلکہ انحصاراً خصوص عنایات اور شفقتیں آج تک برابر جاری و ساری ہیں، حضرت الاستاذ کا تفصیلی تذکرہ بندے نے اپنے والد مرحوم کی سوانح ”فیض سلیمانی“ میں از صفحہ: ۸۹ تا صفحہ: ۱۰۰ کیا ہے، وہاں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ کے فضل سے وجود میں آنے والی اس تیسری جلد کا ثواب حضرت الاستاذ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ حضرت الاستاذ کے سایہ کوتا دیر قائم فرماوے، آمین۔



پیش لفظ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي قال: فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ. (ال عمران: ۳۷)

وقال: أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونْ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ. (الحج: ۴۶)

وقال: أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ. (الروم: ۹۰)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لِيَالِي وَأَيَّامًا آمِنِينَ. (سبا: ۱۸)

وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى مَنْ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِي فِي بُكُورِهَا. وَكَانَ إِذَا بَعَثَ سَرِيَّةً أَوْ جَيْشًا بَعَثَهُمْ مِنْ أَوَّلِ النَّهَارِ الْخ. (رواه ابو داؤد عن صخر بن وداعة رضي الله عنه)

وَ قَالَ لَوْ أَنَّ النَّاسَ يَعْلَمُونَ مِنَ الْوَاحِدَةِ مَا أَعْلَمَ، مَا سَارَ رَاكِبٌ بِلَيْلٍ وَحَدَهُ. (رواه البخاري عن ابن عمر ؓ)

وَقَالَ: الرَّاِكِبُ شَيْطَانٌ. وَالرَّاِكِبَانِ شَيْطَانَانِ. وَالثَّلَاثَةُ رَكْبٌ.

(رواه الترمذي عن عمرو بن شعيب، عن ابيه، عن جده رضی اللہ عنہ)

وَعَلَىٰ إِلِهِ وَاصْحَابِهِ الَّذِينَ بَدَلُوا جُهْدَهُمْ لِنَشْرِ الدِّينِ الْقَوِيمِ فِي زَوَايَا الْعَالَمِ. أَمَّا بَعْدُ!

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے بے شمار احسانات جو اس گنہ گار بندے پر ہیں، جس کا حق احسان میں کبھی بھی ادا نہیں کر سکتا، ان میں سے ایک بہت بڑا احسان یہ ہے کہ اللہ نے محض اپنے فضل سے اپنے دین کی نسبت پر دنیا کے بہت سارے ممالک میں سفر کا موقع عنایت فرمایا۔ الحمد للہ! ایک طویل عرصے سے آرزو اور تمنا تھی کہ: ارض مقدس، فلسطین اور ملک شام کی زیارت کریں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ۲۰۱۵ء میں یہ سعادت عطا فرمائی، رفقا کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ یہ پورا سفر ہوا، جوڑن، فلسطین، اسرائیل پہلی مرتبہ، پھر وہاں سے ترکی دوسری مرتبہ حاضری ہوئی، رفقا کی جماعت کی بھارت واپسی ہوئی اور بندہ وہاں سے پناما پہنچا، وہاں بھی سفر کی کارگزاری کے بیانات نو (۹) دن جاری رہے۔

پھر سفر سے واپسی کے بعد سورت کے ہمارے مخلص ساتھی محترم اسماعیل بھائی جانو اور محترم اختر بھائی میمن کے اصرار پر سورت کی مشہور چوڈگر مسجد میں کارگزاری کی مجلس ہوئی، بہت بڑی تعداد میں لوگوں نے شوق و رغبت کے ساتھ اس میں شرکت کی، بعد میں پہلے کی طرح اشاعت پر بھی احباب اصرار ہوا اور کئی احباب بار بار اس کا شدید تقاضا کرتے رہے؛ لیکن: قد جعل اللہ لكل شیء قدراً. (الطلاق: ۳)

ترجمہ: یہ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اسی درمیان جنوری ۲۰۱۶ء میں مصر کا سفر ہو گیا، اس کی بھی کارگزاری کی مجلس ہوئی،

دونوں کارگزار یوں کو قلمبند کرنا اور اس کو مرتب کرنا ایک بہت بڑا کام تھا، اور اس دوران ترجمہ قرآن مجید اور حواشی کا کام جاری ہونے کی وجہ سے تاخیر در تاخیر ہوتی رہی، اب الحمد للہ! یہ کام اللہ تعالیٰ کے فضل اور مخلصین کی دعاؤں اور محنتوں کی برکت سے پایہ تکمیل تک پہنچا، حق تعالیٰ اس کو قبول فرماوے، اپنی رضا کا ذریعہ بناوے۔

قوم و ملت کا درد رکھنے والے نوجوان عالم دین مفتی عمران میمن تھرا د مدظلہ العالی (استاذ: جامعہ ڈابھیل) اور دیگر مخلصین۔ جن کا اعلیٰ درجے کا اخلاص اور ان کا حکم مجھے ان کے نام کی صراحت سے مانع بن رہا ہے۔ کا بھرپور تعاون رہا، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، ان کو اور ان کی نسلوں کو اپنے دین کی مقبول خدمات کے لیے قبول فرماوے، اور دارین کی دولت سے مالا مال فرماوے، ان کے وجود کو میرے دینی کاموں میں تعاون کے ساتھ اللہ تعالیٰ طویل فرماوے، آمین۔

حق تعالیٰ تمام میزبانوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور اس کارگزاری کی اشاعت میں جن کا بھی حصہ ہے سب کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ہمارے نورانی مکاتب کے ناظمِ مکرم (Organizer) اور شعبہ نشر و اشاعت کے صدر حضرت الحاج مولانا حافظ یوسف ابن حافظ صدیق بھانا صاحب کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے، ان کی دل چسپی سے اس کی اشاعت ہو رہی ہے۔

فقط والسلام

العبد: محمود بارڈولی

مورخہ: ۲۷/رجب ۱۴۳۹ھ

مطابق: ۱۵/اپریل ۲۰۱۸ء

بسم الله الرحمن الرحيم

سفر کے متعلق چند ضروری ہدایات

اپنے سفر نامہ کی پہلی جلد میں سفر کے متعلق بہت ساری ہدایات لکھ چکا ہوں؛ پھر بھی چند ہدایات اس تیسری جلد میں لکھ رہا ہوں؛ چوں کہ تجربات سے انسان بہت کچھ حاصل کرتا ہے، سفر در سفر جاری ہے اور نئے تجربات سے نئی نئی باتیں سامنے آتی رہتی ہیں:

① جب کسی منزل پر پہنچتے ہیں اور وہاں جہاز سے نکل کر ہم اپنا سامان لیتے ہیں تو جلد بازی میں اپنا بیگ چیک نہیں کرتے؛ حالاں کہ اس وقت بیگ کو اچھی طرح چیک کر لینا چاہیے، بہت سی مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا بیگ تو اچھا تھا؛ لیکن اب جہاں پہنچے تو بیگ پھٹا ہوا ہے تو ہم اسی وقت ہوائی جہاز کمپنی سے قانونی کارروائی کر سکتے ہیں، اس کی طرف خصوصی دھیان دیں۔

بہتر یہ ہے کہ جہاں سے روانہ ہوں اس وقت جب جہاز والوں کو سامان جمع کرواتے ہیں تب موبائل میں ہمارے بیگ کی تصویر لے لیں، سامان نہ پہنچے یا گم ہو جائے تو تلاش میں اس سے بڑی سہولت رہتی ہے۔

② پہلے نیٹ پر چیک کر کے بورڈنگ کارڈ (Boarding Card) لے لیں، اور ہوائی جہاز میں داہنی طرف کی جگہ لیں؛ تاکہ استنجا کے لیے آنے جانے میں سہولت رہے، اسی طرح ایسی جگہ سیٹ پسند کریں کہ کھڑکی سے ہم سورج کا طلوع اور غروب دیکھ سکیں؛ تاکہ ہمارے لیے نماز پڑھنے میں سہولت رہے۔

۳) ہوائی جہاز کے سفر میں جب ٹکٹ بنوائیں تو اسی وقت معذوروں کے لیے ویل چیئر اور ہمارا سبزی والا کھانا یا فروٹ وغیرہ کو صراحتاً لکھوا دینا چاہیے۔

۴) ایک سہولت یہ ہوتی ہے کہ ہمارے ساتھ اگر کوئی ویل چیئر والا ساتھ ہی ہو تو اس کی وجہ سے ہوائی لائن کی کمپنی کو درخواست کریں گے تو وہ سیٹ آگے کی طرف دیتے ہیں، اس سے بھی بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

ہمارے حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم ابھی ضعف کی وجہ سے جہاز کے سفر میں ویل چیئر میں چلتے ہیں، ایئر پورٹ میں خوب لمبے لمبے فاصلے ہوتے ہیں، آپ کی برکت سے ہمیں جس طرح دنیا میں اور بہت سارے فائدے حاصل ہوتے ہیں اسی طرح ہوائی جہاز میں بھی ہمیں آگے سیٹ مل جاتی ہے اور دوسری بہت ساری قانونی کارروائیاں بھی آسانی سے ہو جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس صحبت کی برکت سے آخرت میں بھی خوب فوائد عطا فرماوے۔

۵) جو لوگ ہوائی جہاز میں کثرت سے سفر کرتے ہیں وہ کارڈ بھی بنوا لیں، ہوائی جہاز کمپنیوں کے آپس میں گروپ ہوتے ہیں جیسے کہ سٹار ایلائنس وغیرہ، جب ہم سفر کریں تو اس ٹکٹ سے سفر کے میل کی مقدار درج (Miles) کروادیں، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ کچھ خاص مقدار میں مائی لیج ہو جانے پر ٹکٹ مفت بھی مل جاتا ہے، اور بعض مرتبہ سامان بھی زیادہ لے جانے کی اجازت ملتی ہے، اور بھی بہت سے فوائد ہوتے ہیں، اس سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۶) جب ایک سفر میں دو تین ہوائی جہاز بدلنے ہوں تو ایک ہی کمپنی کے ایک ہی ٹکٹ سے ایک ہی پی این آر (PNR) نمبر سے تمام ٹکٹ بنوائیں۔

اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہوائی جہاز کمپنی قانونی طور پر منزل مقصود تک لے جانے کی ذمہ دار ہو جاتی ہے، مثلاً بمبئی سے کینڈا جا رہے ہیں۔ بمبئی سے دہلی، دہلی سے پیرس، پیرس سے ٹورنٹو۔ تو ایک ہی پی این آر کی ٹکٹ لینا چاہیے، اگر خدا نخواستہ کوئی ہوائی جہاز تاخیر سے ہو گیا اور آگے والا ہوائی جہاز چھوٹ گیا تو اسی ہوائی جہاز کمپنی کی ذمہ ہے کہ وہ دوسرا معقول انتظام کر کے پہنچائے۔

④ ملک و بیرونی ملک کے سفر میں اگر ہمارا کھانے وغیرہ کا کوئی پرہیز ہے تو میزبان کو اطلاع دے دینی چاہیے؛ کیوں کہ وہ لوگ مہمانوں کے لیے بہت محنت سے عمدہ چیزیں بنواتے ہیں اور بعض مرتبہ ہمارا اسی چیز کا پرہیز ہوتا ہے؛ اس لیے اس کی طرف بھی خاص توجہ دینی چاہیے۔



مصر کے سفر کی کارگزاری

مصر کے رفقاء سفر کے اسمائے گرامی

- ① مفتی محمود، بارڈولی۔
- ② مولانا ناصر شیخ صاحب، نوساری۔
- ③ مولانا صادق غلام علی لہرمانیکپوری۔
- ④ حاجی عبدالصمد گھونسلا، کڈوڈ۔
- ⑤ حاجی ایوب وہرا کھمبھاتی، کچھلولوی۔
- ⑥ سراج الدین بن مرحوم حاجی شوکت قریشی، دمن۔
- ⑦ آصف بھائی میمن، دمن۔
- ⑧ حاجی بلال کاریا، بارڈولی۔
- ⑨ حاجی شاہد بھملا، بارڈولی۔
- ⑩ رفیق بھائی لونٹ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِیْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاَتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ یُّضِلِّهُ فَلَا هَادِیَ لَهُ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَشَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَاَمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَذُرِّیَّاتِهِ وَ اَهْلِ بَيْتِهِ وَ اَهْلِ طَاعَتِهِ، وَبَارَكَ وَسَلَّم تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَقَالَ الَّذِی اِشْتَرٰهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهِ اَكْرِمِیْ مَثْوٰهُ عَسٰی اَنْ یَنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذْهُ وَلَدًا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لَیُوسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِیُعَلِّمَهُ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ.

ترجمہ: اور مصر کے جس آدمی نے ان (یوسف) کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ: تو اس (یوسف) کو عزت سے رکھنا، شاید یہ ہم کو کام آجائے یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے اور (جس طرح کنویں سے ہم نے یوسف کو نکالا) اسی طرح ہم نے یوسف کو (مصر کی) زمین میں عزت کی جگہ دی اور اس واسطے کہ ہم ان (یوسف) کو کچھ باتوں کا صحیح مطلب نکالنا سکھادیں۔

وَقَالَ تَعَالٰی: فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُّوسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَبُوْیْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِیْنٌ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: سو جب وہ سب یوسف (علیہ السلام) کے پاس پہنچے، تو انھوں نے (یوسف

الکَلْبَلَاءُ نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ: تم سب مصر میں داخل ہو جاؤ، ان شاء اللہ! ہر طرح امن و امان (چین و اطمینان) کے ساتھ رہو گے۔

وقال تعالى: وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ وَالَّذِينَ ۝۱ وَطُورِ سَيْنِينَ ۝۲ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝۳

ترجمہ: قسم کھاتا ہوں انجیر کی اور زیتون کی ﴿۱﴾ اور طور پہاڑ کی (جو) سینا کے صحرا میں ہے ﴿۲﴾ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

محترم حضرات!

الحمد للہ! اسفار کی کارگزاری کی نسبت سے اس مسجد میں یہ تیسری مجلس ہے۔

بخارا، سمرقند کی کارگزاری کی مقبولیت

اس سے پہلے بخارا، سمرقند، ترمذ کی کارگزاری کے لیے ہم یہاں جمع ہوئے تھے، پتہ نہیں ہمارے یہاں کے ساتھیوں کا کیسا اخلاص ہے کہ اُس سفر کی کارگزاری کو ایک ہی رات میں تقریباً ساڑھے تین ہزار لوگوں نے مختلف ملکوں میں ڈاؤن لوڈ کیا اور سنا، بعد میں اللہ کے کرم سے وہ کارگزاری اردو، گجراتی زبان میں کتابی شکل میں بھی شائع ہو گئی۔ دوسری مجلس میں ملکِ شام، یعنی اردن، فلسطین اور ترکی کی کارگزاری ہوئی تھی، آج اس تیسری مجلس میں ہم ان شاء اللہ! سفرِ مصر کی کارگزاری پر بات کریں گے، دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پوری امت کی ہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مصر جانے کی چاہت اور مصر کا سفر

ایک مدت سے چاہت تھی کہ مصر کی زیارت کریں؛ اس لیے کہ مصر سے ہمارا روحانی اور ایمانی رشتہ ہے، برادرِ مکرم مفتی طاہر (باکس والا صاحب) کے سفرِ مصر کے بعد میرا

شوق اور بھی بڑھ گیا، ششما ہی امتحانات کے بعد ہمارے مدرسے میں ایک ہفتے کی تعطیل ہوتی ہے، ویسی تو کئی ملکوں کی دعوت چل رہی تھی؛ لیکن یہ طے ہوا کہ اگر ملک مصر کا ویزا حاصل ہو گیا تو وہیں کے سفر کو ترجیح دیں گے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں مصر کے سفر کی سعادت عطا فرمائی۔

مصر سے ہمارا ایمانی و روحانی رشتہ اور قرآن میں مصر کا تذکرہ

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ مصر سے ہمارا روحانی اور ایمانی رشتہ کیا ہے اور کیسے ہے؟

مصر جس کو آج کل لوگ اجپٹ (Egypt) کہتے ہیں؛ حالاں کہ اس کو اجپٹ نہیں کہنا چاہیے؛ بلکہ مصر ہی کہنا چاہیے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن میں مصر ہی فرمایا ہے: سورہ یوسف کی آیت نمبر اکیس:

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِمَرْأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا.

اور آیت نمبر نانوے (۹۹):

وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِنِّي شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ ﴿٩٩﴾

اس میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف لفظ ”مصر“ استعمال فرمایا ہے۔

اور آیت نمبر تیس (۳۰) میں مصر کے لیے لفظ ”مدینہ“ استعمال کیا ہے:

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرِيهَا فِي صِلٍ مُّبِينٍ ﴿٣٠﴾

ترجمہ: اور شہر (یعنی مصر) میں عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ: عزیز کی بیوی (زلیخا) اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے، اس (نوجوان یوسف) کی محبت اس عورت (یعنی عزیز کی بیوی) کے دل میں بیٹھ گئی ہے، ہم تو یقینی طور پر یہ مانتے ہیں کہ وہ (عزیز کی بیوی) کھلی ہوئی گمراہی (یعنی غلطی) پر ہے۔

اور آیت نمبر تہتر (۷۳):

قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرّٰقِينَ ﴿٧٣﴾
ترجمہ: وہ (گیارہ بھائی) بولے کہ: اللہ کی قسم! کئی بات ہے کہ تم کو تو معلوم ہے کہ ہم (ملک مصر میں) فساد پھیلانے کے لیے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔

اور آیت نمبر اسی (۸۰):

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِیَ أَبِیْ أَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیَ ۖ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: میں تو ہرگز اس زمین (یعنی ملک مصر) سے ہٹ کر نہیں جاؤں گا یہاں تک کہ میرے ابا مجھے (گھر واپس آنے کا خود) حکم دیوں، یا تو اللہ تعالیٰ ہی میری مشکل کو سلجھا دیوں اور وہ (اللہ تعالیٰ) تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔ ﴿۸۰﴾

اور آیت نمبر چھپن (۵۶):

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ.

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک (یعنی مصر) میں باختیار بنادیا۔

ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے مصر کے لیے ”الارض“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے،

اس سے اندازہ لگاؤ کہ کم از کم چھ آیتوں میں ملکِ مصر کے نام کا تذکرہ ہے۔

وادی سینا بھی مصر میں ہے

اس سے آگے جہاں اللہ تعالیٰ نے ”وادی سینا“ کا تذکرہ کیا ہے، یہ تو اتنی مبارک جگہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی قسم کھائی ہے اور وہ بھی مکہ جیسی سرزمین کے ساتھ اس کی قسم کھائی گئی:

وَالَّتَيْنِ وَالزَّيْتُونِ ﴿١﴾ وَطُورِ سَيْنِينَ ﴿٢﴾ وَهَذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ ﴿٣﴾

ترجمہ: قسم کھاتا ہوں انجیر کی اور زیتون کی ﴿١﴾ اور طور پہاڑ کی (جو) سینا کے صحرا میں ہے ﴿٢﴾ اور اس امن والے شہر (مکہ) کی۔

یہ پوری ”وادی سینا“ مصر میں ہے۔

قرآن مجید میں تقریباً اٹھائیس (۲۸) پاروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے، صرف دو پارے: چودہ (۱۴) اور انتیس (۲۹) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اکثر واقعات مصر میں پیش آئے۔

اس سے اندازہ لگاؤ کہ اس مصر سے ہمارا کتنا بڑا روحانی رشتہ ہے۔

مصر نام کی وجہ

یہ مصر نام کیسے رکھا گیا؟ تو ایسے ہر محدود شہر کو ”مصر“ کہتے ہیں۔ مصر کا معنی آتا ہے: ”حد“۔ رات اور دن کے درمیان اللہ تعالیٰ سورج کو کھلی ہوئی حدِ فاصل بناتے ہیں، دو پانیوں کے درمیان جو آڑ ہوتی ہے اس کو بھی ”ماصر“ کہا جاتا ہے؛ لیکن یہاں مصر سے ایک خاص ملک مراد ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے ایک صاحب زادے کا نام ”سام بن نوح“ ہے، یہ آپ کے اُن تین بیٹوں میں سے ہیں جو آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، اسی سام بن نوح کے بیٹے یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے پوتے کا نام ”مصرائیم“ تھا، ان کے نام کی نسبت سے اس علاقے کا نام ”مصر“ بنا۔

سام بن نوح کی قبر مصر میں بتائی جاتی ہے، ایک سینوگاک تھا یعنی یہودیوں کی عبادت کی جگہ، اسی میں حضرت سام بن نوح کا مزار تھا، یہودیوں کی عبادت گاہ کے ختم ہونے کے بعد اس جگہ مسجد کی تعمیر ہوئی۔ یہ ایک وجہ تسمیہ ہے۔

مصر سے ایمان تازہ کرنے والا روحانی رشتہ

بھائیو! ایمان تازہ کرنے والا ایک اور روحانی رشتہ مصر سے آپ کو بتاؤں:

ہمارے سردار حضرت محمد ﷺ کی دادی اماں جن کی برکت سے امت کو صفا، مروہ کی سعی میسر آئی، جن کی برکت سے زمزم ملا؛ یعنی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بھی ملک مصر کی تھیں۔

واقعہ بہت لمبا ہے، مختصر یہ کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں جلانے والا واقعہ پیش آنے کے بعد اپنے وطن بابل سے چل کر مصر پہنچے، آپ کی بیوی حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بہت خوب صورت تھیں، اس زمانے کا بادشاہ جو فرعون تھا اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زنا کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو زنا میں ناکام کیا اور اس نے حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی کرامت دیکھی تو اپنی بیٹی؛ یعنی شہزادی ہاجرہ کو حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کے لیے دے دیا۔

تفصیلی واقعہ ”قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات“ جلد (۱) میں ہے۔

اسی حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دوسرا نکاح ہوا، پھر انھیں کے پیٹ سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے جن کو ہم ”ذبیح اللہ“ کہتے ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے خاندان میں ایک ہی نبی پیدا ہوئے، وہ ہیں میرے اور آپ کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، یوں کہہ لیجیے کہ مصر سے ہمارے نبی کا دادھیالی رشتہ جڑا ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ مصر میں پیش آیا

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا زمانہ آیا، ان کا تو پورا واقعہ ہی مصر میں پیش آیا، جس کو قرآن مجید میں ”احسن القصص“ حسین ترین یا عجیب ترین واقعہ کہا گیا ہے۔

اللہ کے ایک نبی، جو نبی کے بیٹے ہیں اور نبی کے پوتے ہیں، جو غلام بن کر مصر پہنچے، اللہ تعالیٰ نے ان کو آزاد کروایا، مصر کا بادشاہ بنایا اور مصر میں ان کو نبوت بھی عطا کی، حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی مصر میں گذری، وہیں ان کا انتقال ہوا، ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی زندگی کے آخری دنوں میں مصر ہجرت کی، اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے

حضرت یوسف علیہ السلام کے تقریباً چار سو (۴۰۰) سال بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے، حضرت ہارون علیہ السلام بھی مصر میں پیدا ہوئے، دونوں نبیوں کی دعوتی زندگی کا بڑا حصہ مصر سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ سب ہمارے روحانی رشتے ہیں۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اماں جان کا بھی تذکرہ ہے:
وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ. (الفصص: ۷)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کی ماں کو الہام کیا یہ کہ تو اس (موسیٰ) کو دودھ پلاتی رہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی مصر میں رہتی تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ”یوحانث“ ہے، اور والد کا نام ”عمران“ ہے۔ کہتے ہیں کہ: عبرانی زبان میں ”مو“ پانی کو کہتے ہیں اور ”شی“ درخت کو کہتے ہیں۔ جب یہ لفظ عربی میں منتقل ہوا تو شین کو سین سے بدل دیا گیا تو موسیٰ ہو گیا؛ چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کے بعد صندوق میں بند کر کے پانی میں ڈال دیا گیا تھا؛ اس لیے ”موسیٰ“ نام ہو گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تقریباً دو ہزار سال پہلے ”مصر“ تمدن و تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا، یہاں کے حکمران عمالقہ تھے، حضرت یوسف علیہ السلام ”کنعان“ سے ایک بدوی غلام کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوئے، مصر کا دار السلطنت اس زمانہ میں ”رعسیس“ تھا، یہ غالباً اس مقام پر واقع تھا جہاں آج ”صان“ کی بستی آباد ہے، جغرافیائی حیثیت سے اس کا جائے وقوع مشرق کی جانب دریائے نیل کے قریب بتایا جاتا ہے، مصری افواج کا افسر، شاہی خاندان کا ایک رئیس ”فوطیفار“ تھا، یہ سیر کے لیے مصر کے بازار سے گزر رہا تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نظر پڑی، اور اس نے معمولی قیمت لگا کر ان کو خرید لیا۔

بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا خاندان مصر میں مقیم ہو گیا، خود آپ کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام بھی یہیں تشریف لے آئے تھے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا؛ اگرچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی وصیت کے مطابق خود حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر ”الحلیل“ میں لا کر دفن کیا تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات اور دفن کا عجیب واقعہ

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر میں مصر میں ہوئی، وفات کے بعد اہل مصر کا دفن کے سلسلے میں اختلاف ہو، ہر ایک برکت کے لیے اپنے محلے میں دفن کرنا چاہتا تھا اور قریب تھا کہ قتل و قتال کی نوبت آجائے، پھر انھوں نے یہ طے کیا کیا کہ ممر کے ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں دفن کر دے؛ تاکہ ان پر سے پانے گزر کر سب کو برکت پہنچے، پہلے داہنی جانب دفن کیا تو بائیں جانب والا حصہ سوکھ گیا، پھر بائیں جانب دفن کیا تو داہنی جانب والا حصہ سوکھ گیا، چنانچہ دریائے نیل کے بیچ ان کو دفن کیا اور تابوت کو ایک رسی سے باندھ دیا۔

چار سو سال تک آپ مصر ہی میں مدفون رہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکلنے کا حکم دیا تو ساتھ میں یہ بھی حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کو یہاں سے لے جا کر شام میں دفن کر دیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے تابوت کی جگہ معلوم نہیں تھی، چنانچہ ایک بڑھیا نے اس شرط پر جگہ بتلائی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنت میں رہے گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ضمانت دی، اور آپ کے تابوت کو مصر سے ملک شام منتقل کر دیا۔ (از حاشیہ جلالین)

بنی اسرائیل مصر میں

قرآن عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں بنی اسرائیل کا ذکر صرف اسی قدر کیا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کا خاندان حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے مصر میں آیا؛ مگر اس کے صدیوں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں پھر ایک مرتبہ قرآن حکیم بنی اسرائیل کے واقعات تفصیل کے ساتھ سناتا ہے، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے زمانے میں مصر میں بس گئے تھے اور ان تمام کچھلی صدیوں میں ان کی تاریخ مصر ہی سے وابستہ رہی ہے، تو رات کی تفصیلات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی مصر میں وفات پائی

تورات میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلا کر وصیت کی کہ: مجھے سرزمین مصر میں دفن نہ کیا جائے؛ بلکہ باپ دادا کے وطن فلسطین میں میری قبر بنائی جائے۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے آپ کے جسد اطہر کو تابوت میں رکھا اور فلسطین لے جا کر دفن کر دیا۔ یعقوب علیہ السلام مصر میں چوبیس (۲۴) یا سترہ (۱۷) سال مقیم رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلی مرتبہ مصر سے نکلنا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے تو نہایت طاقت ور اور بہادر نوجوان تھے، چہرے سے رعب ٹپکتا، گفتگو سے ایک شان اور ایک وقار ظاہر ہوتا، ان کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ اسرائیلی خاندان سے ہیں، آپ نے اسرائیلیوں کی نصرت کا سلسلہ شروع کیا،

جس کی برکت سے اسرائیلیوں پر فرعونوں کے مظالم میں کافی کمی آگئی؛ چوں کہ آگے اللہ آپ کو بہت کچھ نوازنے والے تھے، ایک بغیر قصد کے قتل کے واقعہ کے پیش نظر مصر سے مدین جانے کی نوبت پیش آئی اور آپ پہلی مرتبہ مصر سے باہر تشریف لے گئے۔

قارون کے دھسنے کا واقعہ مصر میں پیش آیا

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: یقیناً قارون موسیٰ (ﷺ) کی قوم کا ایک شخص تھا، پھر وہ ان (بنی اسرائیل)

پر زیادتی کرنے لگا۔ (القصاص: ۷۶)

مال داری کے گھمنڈ میں جس قارون نے حضرت موسیٰ (ﷺ) اور اللہ کی نافرمانی کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا تھا، وہ قصہ بھی مصر میں پیش آیا۔

مصر کی ایک اور شخصیت ”ہامان“ کا قرآنی تذکرہ

حضرت موسیٰ (ﷺ) کے زمانہ میں مصر کے فرعون کا وزیر اعظم ”ہامان“ نام کا ایک شخص تھا، جو حضرت موسیٰ (ﷺ) کا سخت دشمن اور فرعون کا بڑا معتمد تھا، فرعون کے حکم سے اس نے ایک اونچا مینارہ تیار کیا۔

کہتے ہیں کہ: سب سے اول اینٹ پکا کر لال کرنے کا سلسلہ اسی وقت سے شروع ہوا، اس سے پہلے تعمیرات میں پتھر استعمال ہوتے ہوں گے، یا کچی اینٹ۔

اس مینارہ کے لیے ہامان نے پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) معماروں کو جمع کیا اور اس زمانے کی دنیا میں سب سے اونچی عمارت اس نے بنوائی، پھر فرعون کو اطلاع دی، فرعون اوپر چڑھا اور تیر و کمان ہاتھ میں لے کر آسمان کی طرف تیر پھینکا۔ اللہ تعالیٰ کی

قدرت کے فیصلے کے مطابق وہ تیرخون آلود ہو کر واپس ہوا، فرعون نے یہ دیکھ کر غرور اور شہی سے یوں کہا: لو! اب میں نے موسیٰ کے خدا کا قصہ بھی تمام کر دیا۔

فرعون نے عوام اور درباریوں کے سامنے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں اپنی شکست کو چھپانے کے لیے اگرچہ یہ طریقہ اختیار کیا؛ مگر وہ خود سب سمجھتا تھا کہ یہ ایک دھوکہ ہے اور بس! اس سے دلوں کو تسلی نہیں ہو سکتی اور بہت ممکن ہے کہ بہت سے مصری بھی اس کو سمجھتے ہوں؛ تاہم درباریوں اور خواص و عوام میں ایک بھی ہمت والا آدمی نہ تھا جو جرأت سے اس سازش کا پردہ فاش کرتا۔

تفسیری روایتوں میں ہے کہ: حضرت جبریل (علیہ السلام) نے پرمار کر اس عمارت کے تین ٹکڑے کر دیے، ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا تو تقریباً دس لاکھ سپاہی مارے گئے اور ایک بھی معمار یا مزدور باقی نہ رہا، دوسرا ٹکڑا دریا میں گرا، تیسرا ٹکڑا مغرب میں جا کر گرا۔

لفظ فرعون کی ایک تحقیق

فرعون: اصل میں یہ لفظ ”فاراع، اوہ“ تھا، مصری زبان میں ”فاراع“ کے معنی محل اور ”اوہ“ کے معنی ”اونچا“ کے ہے، فرعون کا معنی ہوا ”اونچا محل“، فرعون اونچے اونچے محل بناتا تھا۔

یا وہ اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار بتاتا تھا اور مصری لوگ سورج، چاند اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے، اور فرعون لوگوں سے اپنی پرستش اور عبادت کرواتا تھا؛ اس لیے فرعون کے معنی ہوتے ہیں سورج دیوتا کا اوتار؛ اس لیے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا ”آمن راع“ (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہ وقت اس کا اوتار اور فاراع

کہلاتا تھا، یہی فاراع عبرانی میں ”فاراعون“ اور عربی میں ”فرعون“ کہلایا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام

حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں فرعون کا نام ”ایخس“ تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جس فرعون نے پرورش کی تھی اس کا نام ”رعیمیس دوم“ یا رعیمیس تھا، ایک قول کے اعتبار سے اس کا نام ”ریادہ“ یا ”آیونی“ تھا، یونانی اس کو ”سوسٹر بس“ کہتے تھے اور عبرانی ”فرعون التسخیر“۔

رعیمیس کے بیٹے ”منفتاح“ کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی، اسی سے مقابلہ ہوا اور یہ ہی ۱۲۹۱ء قبل مسیح غرق ہوا، اور یہ فرعون کی نسل میں انیسویں خاندان میں سے تھا۔ (لغات القرآن نعمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادو گروں کا واقعہ بھی مصر میں پیش آیا

یاد رکھیں کہ! مصر میں تقریباً اکتیس (۳۱) فرعونوں نے الگ الگ زمانے میں بادشاہت کی ہے۔

وہ میدان بھی مصر میں ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادو گروں سے مقابلہ کیا تھا، امام قرطبی کے بقول: تقریباً نو لاکھ جادوگر اس میدان میں جمع ہوئے تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایمان کی نسبت پر مقابلہ کیا تھا تو نو لاکھ جادوگر ایمان لے آئے تھے، وہ مبارک میدان بھی مصر میں ہے۔

جادوگر اور مصر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا زمانہ مصری تمدن کی جو تاریخ پیش کرتا ہے اس میں

یہ بات نمایاں نظر آتی ہے کہ مصری علوم و فنون میں ”سحر“ کو ایک مستقل علم و فن کی حیثیت حاصل تھی اور اسی بنا پر ساحرین کا رتبہ مصریوں میں بہت بڑا سمجھا جاتا تھا، حتیٰ کہ ان کو شاہی دربار میں بھی بڑا رسوخ حاصل تھا، اور جنگ و صلح، اور اہم سرکاری معاملات میں بھی انھیں کی طرف رجوع کیا جاتا تھا، اور ان کے ساحرانہ نتائج کو بڑی وقعت دی جاتی تھی، حتیٰ کہ مذہبی معاملات میں بھی ان کو اہم جگہ دی جاتی تھی۔

آج کل مصر میں جادوگر ہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے جو جادوگر آئے تھے، فرعون نے ان کو لالچ دے کر نبی کے مقابلے کے لیے بلایا تھا؛ چوں کہ ہم تفسیر پڑھتے، پڑھاتے ہیں تو ہمارا دماغ بھی ان تاریخی واقعات کی طرف چلتا ہے، میں نے سفر کے دوران اپنے گائڈ سے سوال کیا:

هَلْ هُنَاكَ السَّاحِرُونَ كَمَا كَانَ فِي زَمَنِ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام؟
آج کل یہاں جادوگر لوگ ہیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے؟
انھوں نے کہا: ہاں ہیں اور بتایا جاتا ہے کہ: انھیں جادوگروں کی نسل کے جادوگر آج تک ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے جادوگر

جادوگر تقریباً تین سو اونٹ پر چمڑے کی رسیاں اور لاٹھیاں لا کر لائے تھے اور اس پر انھوں نے جادو کیا، لوگوں کے تخیل میں تو یہ نظر بندی سے وہ سانپ کی طرح دوڑتے نظر آئے۔

ایک قول یہ ہے کہ ساحرینِ فرعون کی لاٹھیاں اور چمڑے کی رسیاں سانپ نہیں بن گئی تھیں؛ بلکہ ان کے ندر پارہ بھر دیا گیا تھا اور جس زمین میں یہ مظاہرہ کیا گیا تھا اس کو کھوکھلا کر کے اس کے اندر آگ بھردی گئی تھی؛ چنانچہ وقتِ معین پر نیچے کی گرمی سے پارہ میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ کی طرح دوڑتی نظر آنے لگیں۔ خیر! یہ مقابلہ حق و باطل بھی اسی مصر میں پیش آیا۔

قرآن میں ایک مصری مردِ مؤمن کی یادیں

فرعون کے خاندان میں ایک شخص ایمان لا چکے تھے؛ لیکن انھوں نے اپنے ایمان کو چھپایا تھا؛ البتہ جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف قتل کی بات ہونے لگی تب انھوں نے اپنی تقریر شروع کی جو سورۂ غافر میں بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: فرعون کی بیوی آسیہ اور یہ مردِ مؤمن دونوں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے تھے۔

کہتے ہیں کہ: یہ فرعون کے چچا زاد بھائی تھے، ان کا نام ”حزقیل“ یا ”حبیب“ یا ”شمعان“ بتایا جاتا ہے، یہ مخلص خیر خواہ مردِ مؤمن بھی اسی مصر کے تھے۔ اللہ کرے آج کی مصری حکومت کو اس طرح کے کوئی مردِ مؤمن نصیب ہو جائے!!!

سامری اور مصر

پھر ایک اور شخص کا قرآن میں تذکرہ ہے:

فَكَذَّبَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: پھر اسی طرح سامری نے (اس کے پاس جو کچھ تھا آگ میں) ڈال دیا۔

جس کا نام سامری ہے، جس نے وہاں کے لوگوں سے بچھڑے کی عبادت شروع کروائی تھی وہ واقعہ بھی اسی مصر کا ہے۔

سامری کی تحقیق

① بنی اسرائیل میں ایک خاندان تھا جس کا نام ”سامرہ“ تھا، اسی کی طرف نسبت کر کے اس کو ”سامری“ کہتے ہیں۔

② سامورہ یہود میں ایک قوم ہے جو عام یہودیوں سے بعض مذہبی چیزوں میں مخالف ہے، اس کی طرف نسبت کر کے اس کو ”سامری“ کہتے ہیں۔

③ یہ کرمان کا رہنے والا ایک دہقانی کافر تھا، اس کا نام موسیٰ بن ظفر تھا، یہ منافق تھا، اس کی قوم گائے کی پجاری تھی۔

④ سمیری قوم کا یہ فرد تھا، اس قوم کو پرانے زمانے میں سامری کہتے تھے، آج بھی عراق میں اس خاندان کے لوگوں کو اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

⑤ یہ ”شامر“ کی جانب منسوب ہے، جو عبرانی لفظ ہے، یہ جب عربی میں منتقل ہوا تو ”ش“ ”س“ کے ساتھ تبدیل ہو گیا، چنانچہ یہ لفظ عبرانی میں ”شومیر“ بولا جاتا ہے، اور شومیر کے معنی حرس (حفاظت) کے ہیں؛ لہذا شومیر یا شامریا سامر کے معنی ”حارس“ (محافظ) کے ہیں، اور اس کی نسبت سے ”سامری“ بولا جاتا ہے۔

یہاں قرآن میں جو اس کو ”سامری“ کہا گیا ہے یہ اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے؛ یعنی وہ شخص اسرائیلی نہیں تھا، سامری تھا۔ بیل اور بچھڑے کے مقدس ہونے کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی تھا۔

بنی اسرائیل ایک زمانے تک مصر میں رہے

بنی اسرائیل جو اپنے آپ کو بہت مقدس سمجھتے تھے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصْرَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (المائدة: ۱۸)

ترجمہ: اور یہود اور نصاریٰ کہنے لگے: ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے

ہیں۔

اس خاندان بنی اسرائیل کی لمبی چوڑی زندگی مصر میں گزری۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا مزار بھی مصر میں ہے

اس کے بعد ایک اور اہم چیز! ہمارے برادرِ مکرم مفتی طاہر صاحب زید مجدہ نے بتایا تھا کہ: جب ان کا مصر جانا ہوا تھا تو انھوں نے اسکندریہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کا مزار تلاش کیا؛ مگر وقت کی قلت کی وجہ سے کامیابی نہیں ملی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اسکندریہ گئے، وہاں حضرت لقمان علیہ السلام کے مزار پر حاضر ہوئے، ان کے نام پر قرآن میں مستقل ایک سورت ہے، آپ بڑے حکیم تھے، بعض مفسرین نے آپ کو نبی بھی لکھا ہے اور آپ کی حکمت کے کلمات اتنے زیادہ ہیں کہ تورات، انجیل، زبور، قرآن چاروں آسمانی کتابوں میں آپ کی باتیں موجود ہیں، وہ بھی مصر میں آرام فرما رہے ہیں۔

دنیا کی سب سے بڑی جنتی ندی: نیل بھی مصر میں ہے

اسی طرح جب ہمارے حضور حضرت محمد ﷺ سفرِ معراج پر تشریف لے گئے، جب آپ ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں سدرة المنتہی پر آپ کو چارندیاں نظر آئیں: دو

ندیاں کھلی ہوئی تھیں اور دوندیاں ڈھکی ہوئی؛ یعنی چھپی ہوئی تھیں۔

حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ: یہ کیسی ندیاں ہیں؟

حضرت جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ: ان ندیوں میں ایک دجلہ، ایک فرات اور ایک نیل ہے۔

”نیل“ ندی کا اکثر حصہ بھی اسی مصر میں بہتا ہے، یہ ندی چھ ہزار آٹھ سو پچھتر (6875) کلومیٹر لمبی ہے، دنیا کی سب سے بڑی لمبی ندی ہے، اس میں سے سترہ سو (1700) کلومیٹر لمبائی مصر میں ہے اور یہ جنتی نہر ہے۔

دریائے نیل جاری ہونے کا ایمان افروز واقعہ

ایک اور ایمان کو تازہ کرنے والا واقعہ سنا تا ہوں:

جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے لوگ کسی عجمی مہینے کے ایک مخصوص دن کی آمد پر ان کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ: اے ہمارے امیر! یہ نیل ندی سوکھ جاتی ہے، اور ہماری اس ندی کی ایک رسم ہے، جسے ادا کیے بغیر وہ جاری نہیں ہوتا۔

آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟

انھوں نے بتایا کہ: جب اس مہینے کے گیارہ دن گزر جاتے ہیں تو ہم ایک ایسی کنواری لڑکی کے پاس جاتے ہیں، جو اپنے والدین کے پاس پلٹی بڑھی ہو، پھر اس کے والدین کو راضی کر کے اسے حاصل کر لیتے ہیں اور عمدہ کپڑے اور زیورات پہنا کر اسے نیل کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں تب جا کر اس میں پانی آتا ہے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ غلط کام تو اسلام میں ہو ہی نہیں سکتا، اور اسلام تو تمام جاہلانہ رسوم کو مٹا دیتا ہے۔

انھوں نے کہا کہ: پھر ندی میں پانی نہیں آئے گا، مصر کے لوگ پیاسے مریں گے، کھیتیاں سوکھ جائیں گی، جانوروں کو پانی نہیں ملے گا۔

پھر وہ لوگ چھ مہینے تک انتظار کرتے رہے؛ مگر دریائے نیل کم یا زیادہ کچھ بھی نہ ہوا، نتیجتاً انھوں نے جلاوطنی کا ارادہ کر لیا، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان کا یہ ارادہ دیکھا تو فرمایا کہ: میں اپنے امیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔

کیسے امیر کی اطاعت کرنے والے وہ لوگ تھے!!!

چنانچہ مصر سے مدینہ منورہ خط لکھا، اس میں پوری تفصیل ذکر کی کہ: یہاں نیل ندی سوکھ جاتی ہے اور لڑکی بھینٹ چڑھائے بغیر وہ نہیں بہتی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں ایک چھوٹی سی پرچی بھیجی اور فرمایا کہ: سوکھی ندی میں یہ خط ڈال دینا۔

جب وہ خط مصر پہنچا تو فاتح مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ شام کے وقت گئے اور اس سوکھی ندی میں وہ پرچی ڈال دی۔

اس پرچی میں کوئی تعویذ نہیں لکھا تھا؛ بلکہ ایمان بھرا جملہ لکھا تھا:

من عبد الله عمر بن الخطاب أمير المؤمنين إلى نيل مصر: فان كنت تجرين قبلك فلاتجر، وإن كان الله يجريك فأسئل الواحد القهار في أن يجريك.

یہ خدا کے بندے عمر بن الخطاب امیر المؤمنین کی جانب سے مصر کے دریا کے نام

ہے۔ ابالبعء! اگر تو اپنے اختیار سے بہتا تھا تو مت بہہ اور اگر تجھے اللہ بہاتا تھا تو میں اسی واحدِ قہار سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔

صبح تک مصر کے لوگوں نے دیکھا کہ سولہ (۱۶) ہاتھ پانی آچکا تھا اور نیل ندی ایسی جاری ہوئی کہ ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا؛ مگر اب تک اس کے پانی میں فرق نہیں پڑا اور وہ مسلسل بہہ رہی ہے، کبھی سوکھنے نہیں پائی۔ یہ حضرت عمرؓ کی ایمانی طاقت تھی جس کی بدولت یہ کرشمہ ظاہر ہوا۔ بہر حال! ملکِ مصر سے یہ ہماری کچھ تاریخی و روحانی یادیں وابستہ تھیں۔

قاہرہ ہوائی اڈے پر

جنوری کی ۹ تاریخ سنچر کے دن ظہر کے وقت ہم قاہرہ ایئر پورٹ پر اترے، آج کل اسے کیرو (Cairo) کہتے ہیں؛ لیکن اصل نام ”قاہرہ“ ہے، بہت پہلے سے سن رکھا تھا کہ: قاہرہ ایئر پورٹ پر یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

﴿ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾

ترجمہ: تم سب مصر میں داخل ہو جاؤ، ان شاء اللہ! ہر طرح امن و امان (یعنی چین و اطمینان) کے ساتھ رہو گے۔

جب ہم ایئر پورٹ پر اترے اور جہاز سے نکل کر ایئر پورٹ کی عمارت کے گیٹ پر پہنچے تو واقعتاً یہ آیت لکھی ہوئی تھی، میں نے اپنے ساتھیوں کو متوجہ کیا کہ یہ آیت دیکھو! اور پھر اس سے نیک فالی لو کہ: ان شاء اللہ! ہمارا مصر کا سفر بہت عمدہ اور پر امن رہے گا۔ ویسے گذشتہ دنوں کے حالات کے پیشِ نظر روانگی کے وقت میں نے ہمارے

حضرت شیخ مفتی احمد خان پوری دامت برکاتہم العالیہ سے دعا کی درخواست کی تھی، انھوں نے بہت ساری دعاؤں سے نوازا، اور ہمارے دوسرے بزرگ حضرت اقدس مولانا ابراہیم پانڈور صاحب دامت برکاتہم کو بھی دعا کی درخواست کی تھی، نیز ہم نے صلوٰۃ الحاجہ کا بھی اہتمام کیا اور سفر کی عافیت کی نیت سے صدقات کا بھی اہتمام کیا تھا۔
بس ان سب چیزوں کی برکات سامنے نظر آئیں اور سفر خیریت سے مکمل ہوا۔

سفر کے موقع پر دعا کروانا حدیث سے ثابت ہے

بھائیو! سفر کے موقع سے دعا کروانا بھی حدیث سے ثابت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَسَافِرَ فَأَوْصِنِي، قَالَ: عَلَيْكَ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالتَّكْبِيرِ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ، فَلَمَّا وَلَّى الرَّجُلُ، قَالَ اللَّهُمَّ أَظْلِمُ لَهُ الْبُعْدَ وَهَوِّنْ عَلَيْهِ السَّفَرَ. (رواه الترمذی وقال حدیث حسن)

سلطان صلاح الدین ایوبی کے بنوائے ہوئے قلعے میں

ایئر پورٹ سے نکلنے کے بعد ہم سب سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کے بنوائے ہوئے قلعہ کو دیکھنے گئے، یہ قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے تعمیر کروایا تھا، بڑا عالی شان قلعہ ہے، یوں سمجھو کہ ایک چھوٹا موٹا شہر اس میں آباد ہے، اس میں بہت ساری مسجدیں ہیں، جن میں ایک ”مسجد سلطان“ بھی ہے، اس میں مصری حکومت کی بہت ساری تاریخی یادگاریں محفوظ ہیں۔

پیر یوسف

اس قلعے میں ایک جگہ پیر یوسف لکھا ہوا تھا۔

میں نے گانڈ سے پوچھا کہ: ”یہ ’پیر یوسف‘ کا کیا مطلب؟
وہ گانڈ- جو بڑے محتاط آدمی تھے- کہنے لگے کہ: ”’پیر‘ عربی میں کنویں کو بولتے
ہیں، مصر کے تانخ نگار لوگ لکھتے ہیں کہ: حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر میں تھے تو
یہاں کی مختلف جگہوں پر آپ کا قیام رہا، ان مختلف جگہوں میں سے ایک یہ بھی ہے؛
چوں کہ اس جگہ آپ کا قیام رہا، اس لیے یہ جگہ ”پیر یوسف“ کہلاتی ہے۔ ایک دیوار
سے اس جگہ کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

ایوبی قلعہ بہت لمبا چوڑا قلعہ ہے، اس میں ہم نے ظہر کی نماز بھی پڑھی، اس قلعے کو
وہاں ”قلعۃ الجبل“ کہا جاتا ہے اور چوں کہ مصری لوگ جیم کو گاف سے بدل کر بولتے
ہیں؛ اس لیے اس کو ”قلعۃ الجبل“ بولتے ہیں۔

مصریوں کے جیم کو گاف سے بدلنے پر ایک لطیفہ

ہمارے ایک بزرگ نے سنایا کہ: مصری لوگوں سے جیم کا تلفظ نہیں ہوتا، وہ ”جیم“
کو ”گاف“ ہی بولتے ہیں، اس پر ایک لطیفہ ایسا ہوا کہ حرمین کے سفر کے موقع پر مطاف
میں دیکھا کہ: ایک مصری شخص دعا کر رہا ہے:

اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْغَنَّةَ.

ہمارے یہاں اردو میں ”گنا“ جس کو کہتے ہیں ہم سب اس کو جانتے ہیں، تلفظ
سے ناواقف ہمارا ایک بھائی کہنے لگا کہ: دیکھو! یہ لوگ یہاں بھی اللہ سے ”گنا“ کا
سوال کرتے ہیں؛ حالاں کہ وہ مصری ”جنت“ مانگ رہا تھا؛ لیکن اپنے تلفظ میں گنا
بول رہا تھا، اور اس کو ہمارا ہندستانی ”گنا“ سمجھا جس کے رس سے شکر بنتی ہے۔

جبلِ مقطم کی فضیلت

قلعے کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا پہاڑ ہے، اس کے بارے میں دریافت کیا کہ: یہ کونسا پہاڑ ہے؟ بتایا گیا کہ: یہ ”جبلِ مقطم“ ہے۔

اس پہاڑ کی تاریخ یہ ہے کہ: جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو وہاں کے بادشاہ مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: آپ یہ پورا پہاڑ مجھے فروخت کر دو، میں اس کی قیمت میں ستر ہزار دینار یعنی سونے کے سکے ادا کروں گا۔ اس زمانے کے حساب سے مارکیٹ کی جو قیمت ہو سکتی تھی یہ اس سے بہت زیادہ قیمت تھی۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا کہ یہ اتنے مہنگے داموں کیوں خریدنا چاہتا ہے؟

ایک قابلِ توجہ بات

یہ بھی ایک اہم توجہ اور دھیان دینے کی بات ہے کہ آپ کو کوئی چیز بیچی جا رہی ہو اور معروف متداول قیمت سے زیادہ بولی لگائی جائے تو اس کے پیچھے کے راز کو جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اور کوئی شخص اپنی کوئی چیز بیچ رہا ہے اور عام معروف متداول قیمت سے کافی کم میں بیچ رہا ہے تو اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اتنے کم میں کیوں بیچ رہا ہے؟ خیر! تو فاتحِ مصر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے اس سے وجہ پوچھی؟

اس نے کہا کہ: ہماری کتابوں میں اس پہاڑ کی بہت ساری فضیلتیں لکھی ہوئی ہیں،

جس میں سے ایک یہ ہے کہ اس پہاڑ پر جنت کے درخت اگیں گے؛ اس لیے میں اس کو خریدنا چاہتا ہوں۔

انہوں نے فرمایا کہ: میں ابھی سودا نہیں کروں گا، پہلے اپنے امیر المؤمنین سے مشورہ کروں گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا، وہاں سے جواب آیا کہ: اگر واقعاً یہ پہاڑ اتنا مبارک اور برکت والا ہے تو پھر مسلمان اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ نیز حضرت عمرؓ نے یہ حکم نامہ بھی لکھا کہ: اس پہاڑ اور اس کے اطراف کی جگہ کو مسلمانوں کا قبرستان بنا دو؛ تاکہ اس پر اگنے والے جنتی درختوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔

یہ تھا جبلِ مقطم، اس وقت بھی اس پورے پہاڑی علاقے کو قبرستان ہی رکھا گیا ہے؛ البتہ اس علاقے کو ”قرافہ“ کہتے ہیں، اس قبرستان میں ایسے ایسے اللہ کے جلیل القدر بندے آرام فرماہیں کہ ان کی تاریخ بیان کرنے کے لیے کئی راتیں درکار ہیں۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ: اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ الحمد للہ! ہم نے اس پہاڑ کی زیارت کی اور پھر پورے سفر کے دوران بار بار اس علاقے میں آنا جانا ہوا۔

اہل بیت کے مزارات پر

اُس دن دوسری زیارتوں میں اہل بیت یعنی حضور ﷺ کے خاندان کے لوگوں کے مزارات کی زیارت کی؛ اس لیے کہ واقعہ کربلا کے بعد آپ ﷺ کے خاندان کے بہت سارے لوگ مصر منتقل ہو گئے تھے اور وہاں مقیم ہو گئے تھے، ان میں حضرت عائشہ

بنت علی، حضرت سیدہ زینب، سیدہ رقیہ بنت علی رضی اللہ عنہن کے مزارات پر حاضری ہوئی۔ حضور ﷺ کے خاندان سے مصر والوں کو بڑا تعلق ہے، ایسی ہر جگہ پر جہاں حضور ﷺ کے اہل بیت مدفون ہیں، وہاں شان دار عمارتیں بنائی گئی ہیں۔

ان سب زیارتوں میں رات ہو گئی، ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا، ساتھیوں کا تقاضا ہوا کہ اب واپس قاہرہ قیام گاہ پر جانا چاہیے، چنانچہ ہم واپس ہو گئے۔

حیزہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا اصل مصر

یہاں ایک بات بتادوں کہ: حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جو اصل مصر تھا وہ موجودہ قاہرہ کا علاقہ نہیں؛ بلکہ وہ نیل ندی کو پار کر کے ”حیزہ“ کا علاقہ ہے، اور یہی قدیم مصر کا علاقہ ہے۔

الحمد للہ! ہماری ہوٹل (قیام گاہ) بھی اسی ”حیزہ“ نامی علاقے میں تھی، جہاں تک پہنچنے کے لیے نیل ندی کو پار کرنا پڑتا تھا، میرے دل میں بھی نیل ندی کو دیکھنے کا شوق اٹھائی لے رہا تھا، قاہرہ سے گذر کر جب ہم ”حیزہ“ جا رہے تھے تو پہلی مرتبہ نیل ندی کی زیارت کی۔

فسطاط شہر بننے کا عجیب قصہ:

اسلام میں پرندوں کے حقوق کی رعایت

یہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس کو ”فسطاط“ کہتے ہیں، فسطاط کے معنی عربی میں ”خیمہ“ کے ہوتے ہیں۔

اس علاقے کو ”فسطاط“ کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ: جب حضرت سیدنا عمرو بن

عاص رضی اللہ عنہ یہاں تشریف لائے تو مقوقس بادشاہ نے نیل ندی کو پار کر کے ایک جزیرے میں پناہ لی اور نیل ندی پر بنے پل کو اس نے توڑ دیا؛ تاکہ مسلمان ندی پار کر کے آسانی کے ساتھ پہنچ نہ سکیں، اس طرح وہ وہاں پناہ گزیں ہو گیا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو ان کے لیے آپ کے رُفقا نے ایک خیمہ بنایا جس میں آپ مقیم ہوئے، پھر کچھ دنوں کے بعد جب وہاں سے اسکندریہ فتح کرنے کے لیے جانے کی تیاری ہوئی، جو وہاں سے کافی دور ایک بڑا شہر ہے، تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرمایا کہ: اب اس خیمے کو اٹھا لو، ہمیں اسکندریہ جانا ہے، جس ساتھی کو اس خیمے کے اکھاڑنے کے کام پر مقرر کیا تھا جب وہ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خیمے پر ایک کبوتری نے انڈا دیا ہے، وہ امیر لشکر کے پاس آئے اور کہا کہ: اتنے دنوں میں ایک کبوتری نے آپ کے خیمے پر انڈا رکھ دیا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ: اگر ایسی بات ہے تو خیمہ مت کھولو، اس کو اسی حال پر رہنے دو، جب اس انڈے میں سے بچے باہر نکل آئیں گے اور وہ اڑنے کے قابل ہو جائیں گے تب ہم اس خیمہ کو کھول لیں گے، اس کو اسی طرح چھوڑ کر چلے گئے۔

اندازہ لگاؤ! ان حضرات کو جانوروں کے حقوق کا بھی کتنا خیال تھا؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس خیمے کو ویسا ہی چھوڑ کر اسکندریہ چلے گئے تھے تو اسی نسبت سے یہ علاقہ آج بھی ”فسطاط“ کہلاتا ہے۔

اہرام مصر کی زیارت

اتوار کے دن صبح سویرے ساتھیوں سے کہا کہ: جلدی جلدی تیار ہو جاؤ، آج

سب سے پہلی زیارت مصر کے اہرام کی ہے، مصر کے پرامڈ (Pyramid) عربی میں جس کو ”اہرام“ کہتے ہیں ان اہراموں کی تعداد سو سے زیادہ بتائی جاتی ہے؛ لیکن سب سے زیادہ مشہور تین ہیں: ① ہرام اکبر ② ہرام اوسط ③ ہرام اسفل۔

اہرام کب بنے؟

یہ اہرام کعبہ کے بعد سب سے پرانی عمارت شمار کیے جاتے ہیں، یہ پورے مصر میں مختلف جگہوں پر پھیلے ہوئے ہیں، یہ کب بنے؟ اس کے بارے میں الگ الگ روایتیں ہیں:

ایک یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب طوفان آنے والا تھا تو مصر کے کاہنوں نے اس وقت کے بادشاہ - جس کا نام کتابوں میں ”سورید“ لکھا ہے اس - کو بتایا کہ: ایک طوفان آنے والا ہے اور ہمارے پاس جو مختلف علوم و فنون کی کتابیں ہیں وہ سب غرق ہو کر ضائع ہو جائیں گی، ہمارے پاس جو علم ہے وہ سب ختم ہو جائے گا۔ اس علم کو بچانے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے انھوں نے یہ اہرام تعمیر کیے۔

ان اہرام میں پتھروں پر انھوں نے ساری کتابوں کی عبارتیں نقش کر دی؛ تاکہ ان کے علوم محفوظ ہو جائیں؛ اس لیے کہ عام طور پر بڑے پتھر پانی میں بہتے نہیں، نیز کاغذ اور روشنائی سے لکھا ہوا تو مٹ جاتا ہے، پتھروں پر نقش کیا ہوا جلدی مٹتا نہیں، دیر تک باقی رہتا ہے۔

اہرام کی عجیب و غریب تفصیل: دو (۲) ٹن کا ایک پتھر

یہ اہرام کتنے عجیب و غریب ہیں ان کی تفصیل سن کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، اس

میں جو پتھر استعمال ہوئے ہیں ان میں ہر ایک پتھر کا وزن کم سے کم دو ٹن کا ہے اور بڑا پتھر پندرہ ٹن کا، اس طرح کے بیس لاکھ پتھروں کے مجموعے سے بنا ہوا ایک ہرم ہے۔

سات سو پچپن (۷۵۵) فٹ اونچائی

اس کی اونچائی تقریباً سات سو پچپن (۷۵۵) فٹ ہے، اتنے پرانے زمانے میں جب کہ کرین (Crane) اور آج کی طرح کی مشینیں نہیں تھیں تو اتنے بھاری پتھر پتھروں کو اٹھا کر اتنی اونچائی پر لے جا کر کیسے فٹ کیا ہوگا؟

اور جتنے رقبے پر یہ اہرام تعمیر ہوئے ہیں وہ ایک کروڑ بہتر لاکھ اسکوئر فٹ ہے اور جو سب سے بڑا پرامڈ ”ہرم اکبر“ ہے وہ تیرہ (۱۳) ایکڑ زمین پر تعمیر شدہ ہے۔

اسی لیے آج بھی مصر میں بعض لوگ کہتے ہیں کہ: یہ اہرام انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں؛ بلکہ ان کو جناتوں نے تعمیر کیا ہے۔

صدیاں گزر گئیں؛ لیکن معمولی شگاف تک نہیں پڑا

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے آج تک صدیاں گزر گئیں، ہزاروں سال گزر گئے، اس میں نہ جانے کتنی بارش ہوئی، نہ جانے کتنے زلزلے آئے؛ لیکن کسی پرامڈ میں کوئی معمولی شگاف تک نہیں پڑا اور کسی پتھر سے ٹوٹنے کی کوئی علامت آپ کو نظر نہیں آئے گی۔

ابوالہول کا مجسمہ

اسی جگہ ابوالہول کا مجسمہ بھی ہے، یہ ابوالہول کا مجسمہ ”ہرم اوسط“ کے بانی بادشاہ جس کا نام ”خیف“ یا ”خوفو“ تھا اس کی مورقی اور شکل ہے: یہ دو سو چالیس (۲۴۰) فٹ

لمبا ہے۔ اکسٹھ (۶۱) فٹ اونچائی ہے۔ اس کے ہونٹ سات (۷) فٹ کے ہیں۔
اس کی ناک تقریباً چھ (۶) فٹ کی ہے۔

اسی عمارت کے ساتھ لگ کر چھوٹے چھوٹے کمرے ہیں جن کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ: فرعونوں کی رانیاں اور ان کی بیٹیاں ان میں رہتی تھیں۔

برِ اعظم افریقہ میں قائم ہونے والی سب سے پہلی مسجد

ان اہرام مصر کو دیکھنے کے بعد ہم سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مسجد کی زیارت کے لیے گئے، اس مسجد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: برِ اعظم افریقہ میں قائم ہونے والی یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔

اس مسجد کی جب تعمیر ہوئی تو کتابوں میں لکھا ہے کہ: اسی (۸۰) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مل کر اس مسجد کے قبلہ کا رخ متعین کیا تھا؛ چونکہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اس مسجد کو تعمیر کیا تو آپ ہی اس کے پہلے امام بنے، ایک دوسرے صحابی اس کے موزن بنے اور پوری زندگی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس مسجد میں امامت کرتے رہے۔

اس مسجد کی روحانیت و برکات کا حال

ظاہر ہے کہ جس مسجد کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے تعمیر کیا ہو اس کی روحانیت اور اس کے برکات کا کیا عالم ہوگا؟ خدائے پاک کی قسم! اس مسجد سے باہر نکلنے کا جی ہی نہیں چاہتا تھا۔

میں دیر تک مسجد میں بیٹھا اپنے ساتھیوں کو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے متعلق سناتا رہا کہ کس طرح انھوں نے مصر کو فتح کیا تھا۔ گانڈ بار بار ہمیں کہہ رہا تھا کہ: جلدی

کرو، فرعون کو دیکھنے جانا ہے؛ ورنہ میوزیم بند ہو جائے گا، بالآخر نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں مسجد سے نکلنا پڑا۔

ہم نے ظہر کی نماز اسی مسجد میں پڑھی، دیکھا کہ: ایک کونے میں دو آدمی ایک دوسرے کو قرآن سنارہے تھے۔

مصر میں الحمد للہ! قرآن کریم سے لوگوں کو بڑا تعلق اور لگاؤ ہے۔

مصر کا ایک گاؤں جہاں کا ہر بچہ حافظ قرآن ہے

ویسے تو دنیا بھر کے مسلمان قرآن کریم سے والہانہ محبت کرتے ہیں اور الہی نظام کے تحت ہر دور میں قرآن کریم کو سینے میں محفوظ کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد رہی ہے، جو کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ”اننا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون“ کا مظہر ہے؛ مگر کتاب الہی کے حوالے سے مصری باشندوں کو انفرادیت حاصل ہے، مصر کے قرائے کرام پوری دنیا میں اپنا لوہا منوا چکے ہیں، یہاں پر ہم مصر کے ایسے گاؤں کے بارے میں بتا رہے ہیں، جس میں بسنے والے تمام افراد نہ صرف حافظ ہیں؛ بلکہ اس گاؤں کا ہر شخص جید قاری بھی ہے۔

عربی جریدے ”البیان“ کی رپورٹ کے مطابق مصری گاؤں ”عرب القرآن“ دنیا کا واحد گاؤں ہے، جس میں رہنے والے تمام مرد، عورت، بچے، بوڑھے اور جوان حتیٰ کہ ذہنی معذور افراد بھی قرآن کریم کے حافظ ہیں، قرآن کریم سے ان لوگوں کی عقیدت و محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ چالیس ہزار کی آبادی پر مشتمل اس گاؤں میں حفظ قرآن کے ۴۵۰ بڑے مدارس اور ۳۵۰ چھوٹے مکاتب

ہیں۔ اس گاؤں میں بہت سے افراد ایسے بھی ہیں جو بچپن میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل نہ کر سکے تو انھوں نے بڑی عمر میں مدرسوں میں داخلہ لے کر حفظ قرآن مکمل کیا، ان میں ستر برس کے بوڑھے اور بوڑھیاں بھی شامل ہیں۔

عرب القرآن کے باشندے صرف قرآن حفظ نہیں کرتے؛ بلکہ حفظ کے بعد تجوید کا کورس کر کے جید قاری بھی بن جاتے ہیں، بیشتر افراد حفظ کے بعد عالم بھی بنتے ہیں، اس لیے اس چھوٹے سے گاؤں میں بڑے بڑے نامور علمائے دین موجود ہیں۔ مصر کے نامور داعی اور جید عالم دین شیخ حستان کا تعلق بھی اسی گاؤں سے ہے۔

گاؤں کے ۴۵ مدارس اور ۳۵۰ مکاتب میں سالانہ ایک ہزار سے زائد بچے حافظ قرآن بن جاتے ہیں۔ ڈاکٹر مرسی کے دورِ صدارت (۲۰۱۲ء) میں اس گاؤں کا نام باقاعدہ سرکاری طور پر ”عرب الرمل“ سے تبدیل ہو کر ”عرب القرآن“ ہو گیا ہے۔ گاؤں کا نام تبدیل ہونے کے بعد اب اس گاؤں میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں بچا ہے جو حافظ قرآن نہ ہو۔ بعض بڑی عمر کے ایسے لوگ بھی ہیں جو تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے ناظرہ قرآن نہیں پڑھ سکتے؛ مگر سن کر انھوں نے بھی پورا قرآن حفظ کر لیا ہے۔

رپورٹ کے مطابق یہاں لوگوں نے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ جب کوئی عورت حاملہ ہوتی ہے تو اس کو حمل کے چار ماہ گزرنے کے بعد رات دن تلاوت قرآن کا پابند بنایا جاتا ہے، وہ سوائے ضروری باتوں کے ادھر ادھر کی بات نہیں کرتی، صرف قرآنی آیات کی تلاوت کرتی رہتی ہیں، اس سے پیدا ہونے والے بچے پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، اور وہ بہت ہی کم وقت میں قرآن حفظ کر لیتا ہے۔ حفظ قرآن کے جدید طریقوں پر تحقیق کرنے والے عرب ماہرین نے اس عمل کو حفظ قرآن کے لیے بہت ہی مفید قرار

دیا ہے۔ طبّی ماہرین کی جدید تحقیق سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ پیٹ میں موجود بچہ باہر کی باتیں سن لیتا ہے۔

شیخ عصام اس گاؤں میں تیس سالوں سے حفظ قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں، وہ بتاتے ہیں کہ: ہم نے ”النورانیۃ الربانیۃ“ نام کا جدید طریقہ ایجاد کیا ہے جس کے ذریعے ہم پانچ سال سے پہلے ہی بچوں کو حفظ قرآن مکمل کر دیتے ہیں، شیخ عصام کا یہ جدید طریقہ اس درجہ کامیاب اور مقبول ہے کہ اس کو اب سعودی عرب میں بھی شروع کیا گیا ہے۔ مسجد نبوی میں بھی اب اس طریقے سے حفظ کرایا جاتا ہے، اس طریقے سے ذہنی اعتبار سے کمزور بچے بھی؛ بلکہ بسا اوقات ذہنی طور سے معذور بچے بھی قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔

دنیا بھر سے مسلمان اپنے بچوں کو جلد از جلد اور پکا حافظ بنانے کے لیے ”عرب القرآن“ بھیجنے لگے ہیں، آپ کو ”عرب القرآن“ کے مدارس میں چین، جاپان، امریکہ، وسطی ایشیا، یورپی اور عرب ممالک سمیت دنیا کے ہر خطے کے بچے قرآن کریم حفظ کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ان مہمان طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری گاؤں کے باشندے سعادت سمجھ کر اٹھاتے ہیں، قرآن کریم کے یہ عاشق اپنے مہمان طلبہ کی ایسی خدمت کرتے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے، امتحانات میں پوزیشن لانے والے طلبہ کو گاؤں کے لوگ انعامات سے نوازتے ہیں۔ یہاں کے مکاتب اور مدارس میں آپ کو تین سال سے لے کر ۸۰ سال کے بزرگ تک ساتھ میں حفظ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہوئے مل جائیں گے۔

شیخ محمد ذکی جو یہاں کئی مکاتب اور مدارس چلاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ابھی اس

گاؤں میں تینیس سوطلبہ و طالبات حفظ قرآن میں مشغول ہیں، یہاں ناظرہ سے پہلے بچوں کو نورانی قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔ واضح رہے یہ قاعدہ ہندوستان کے نامور عالم دین قاری فتح محمد پانی پتی نے تحریر کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسی مقبولیت سے نوازا ہے کہ حرمین شریفین سمیت تمام عرب ممالک میں یہ قاعدہ پڑھایا جاتا ہے۔

عرب القرآن کے مدارس میں حفظ قرآن کے ساتھ بچوں کو انگلش سمیت مختلف زبانیں بھی سکھائی جاتی ہیں اور ان کی مکمل اسلامی تربیت کی جاتی ہے، اور خطابت کا فن بھی سکھایا جاتا ہے، یہاں کے قراء نے یورپ اور امریکہ سمیت کئی ممالک میں اسی طریقے سے قرآن کریم حفظ کرانے کی کلاسوں کا آغاز کر دیا ہے۔

وَأَوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ

اس مسجد سے بالکل قریب، یعنی پیدل چلیں تو دس منٹ کا راستہ ہے، وہاں ایک بڑا چرچ ہے، اس چرچ کو تو ہم دیکھنے نہیں گئے؛ لیکن وہ چرچ کیا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآَوَيْنَهُمَا إِلَىٰ رُبُوعٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ

(المؤمنون)

ترجمہ: اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی اماں کو (ہماری قدرت کی) ایک بڑی نشانی بنا دی ہے اور ہم نے ان دونوں (ماں بیٹے) کو ایک اونچی جگہ پر ٹھکانہ دیا جو (پُر سکون) رہنے کے لائق تھی اور وہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔

مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

ہوئی تو اس زمانے کا جو بادشاہ تھا اس کو کاہنوں نے بتایا کہ: ایک بچہ پیدا ہوگا جو تیری حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا، کاہن نے یہ بھی بتایا کہ: وہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا۔

آپ ﷺ کی پیدائش کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ ”ہیردوس“ بادشاہ ان کا دشمن بن گیا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا اپنے اس بچے کی حفاظت کے لیے فلسطین سے نکل کر مصر آگئیں اور جب تک وہ ہیردوس بادشاہ زندہ رہا حضرت مریم رضی اللہ عنہا مصر میں مقیم رہیں اور اس بادشاہ کے مرنے کے بعد آپ دوبارہ فلسطین تشریف لے آئیں۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا مصر میں جہاں کئی دنوں تک مقیم رہیں وہ جگہ مسجد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بالکل قریب میں ہے جہاں اس وقت ایک بڑا چرچ بنا ہوا ہے۔

اس میں ایک کنواں بھی ہے، بتایا جاتا ہے کہ: حضرت عیسیٰ ﷺ اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا اس کنویں کو استعمال کرتے تھے۔

مصر کے میوزیم میں

بہر حال! ہم جلدی جلدی میوزیم پہنچے، وہیں ”میدان التحریر“ نامی مشہور جگہ بھی ہے جسے ”تحریر اسکوائر“ کہتے ہیں۔ میوزیم کی فیس تیس پاؤنڈ ادا کی، پورے میوزیم میں پرانے زمانے کی عجیب و غریب چیزیں ہیں، اسی طرح سونے چاندی کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، مجھے اس وقت سورہ زخرف کی آیت مبارکہ یاد آرہی تھی جو فرعون نے اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر حضرت موسیٰ ﷺ کے بارے میں کہی تھی کہ:

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَقَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥٢﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: اور فرعون نے اپنی قوم میں پکار کر کہا: اے میری قوم! کیا (پورے) مصر کی حکومت میرے قبضے میں نہیں ہے؟ اور (دیکھو!) یہ نہریں میرے محل کے نیچے جاری ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟ ﴿۵۱﴾ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ میں اس شخص (یعنی موسیٰ) سے (مال و عزت و حکومت میں) بہت زیادہ اچھا (بہتر) ہوں جس کی کوئی عزت نہیں ہے ﴿۵۲﴾ اور وہ اپنی بات صاف طور پر بول بھی نہیں سکتا، پھر (اگر یہ اللہ کا رسول ہے) تو اس پر (یعنی ہاتھ میں) سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا پھر اس کے ساتھ فرشتے جمع ہو کر کیوں نہیں آتے۔

یعنی تم موسیٰ کی بات کیوں مانتے ہو؟ اس کے پاس تو سونا چاندی اور کنگن کچھ بھی نہیں ہے اور مجھے دیکھو! میرے پاس سونے چاندی کے کتنے زیورات ہیں! فرعون کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مرد ہونے کے باوجود سونے کے کنگن پہنتا تھا اور اپنی ڈاڑھی میں ہیرے جواہرات اور سچے موتی لگواتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام پر اسے غصہ اسی لیے آیا تھا کہ جب بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ڈاڑھی کھینچی تھی تو اس کی ڈاڑھی کے ہیرے موتی سب گر گئے تھے۔

فرعون کے بہت سارے زیورات مصر کے میوزیم میں رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہ: دیکھو! جن ہیرے جواہرات اور سونے چاندی پر گھمنڈ کر کے اس نے اللہ کے رسول کی بات نہیں مانی تھی آج وہ سارے کنگن یہاں رکھے ہوئے ہیں جن

کا کوئی پُرساں حال نہیں۔

دوسری ایک بات کہ یہ بادشاہ جو پیراڈ بنواتے تھے ان میں اپنے مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے سارا سامان جمع کرواتے تھے، چنانچہ اس مرنے کے بعد والی زندگی کے لیے نوکر چاکر، برتن، کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھواتے تھے اور جو فرعون مرتا تھا اس کی لاش میں کوئی خاص قسم کا مسالہ لگا کر اسی پیراڈ میں رکھ دیتے تھے اور ان لاشوں کو رکھنے کے لیے پتھر اور سونے کے صندوق بنواتے تھے، بہت ساری سونے کی پیٹیاں آج تک میوزیم میں موجود ہیں۔

فرعون اور اس کی لاش

اس میوزیم میں فرعون کی نعش بھی موجود ہے۔

گائڈ نے کہا کہ: وہ اوپر والے منزلے پر ہے۔

میں نے کہا کہ: کم بخت زندگی میں تو کہتا ہی تھا: ﴿أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَى﴾ (میں

تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور ابھی بھی اوپر والے منزلے پر ہی سو رہا ہے۔

ہم اوپر گئے تو پتہ چلا کہ فرعون کو دیکھنے کے لیے الگ سے سو پاؤنڈ کا ٹکٹ لینا پڑے گا، میں نے کہا کہ: کم بخت دنیا میں بھی مہنگا تھا، مرنے کے بعد بھی مہنگا ہے اور وہاں اتنی سیکوریٹی ہے کہ فوٹو بھی نہیں لے سکتے، ہم نے نئی ٹکٹ لی اور گئے تو وہاں بہت سارے فرعونوں کی لاشیں ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا جو فرعون تھا اس کا نام ”رمسیس“ یا ”رمسیس“ بتایا جاتا ہے، اس نام کے فرعون کی لاش پر گئے تو وہ بالکل نیچ میں رکھی ہوئی ہے، اسی طرح اس فرعون کا باپ، اس کی بیٹی بیوی وغیرہ کی لاشیں بھی ہیں۔

ایک خاص بات یہ ہے کہ فرعون کی جسمانی ساخت اور سائز بھی عام انسانوں کی طرح ہے، کوئی بہت لمبا چوڑا نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ اس کے سر پر بال بھی ہیں، اس کا چہرہ ڈراؤنا لگتا ہے۔

کانچ کے ان شیشوں کے پاس ٹمپر پچرناپنے کے آلے لگے ہوئے ہیں اور ہر وقت ایک بڑا سٹاف ٹمپر پچر کوناپنے کے عمل میں لگا رہتا ہے۔

ہم نے ان ساری لاشوں کو اور فرعون اکبر کی لاش کو عبرت کی نگاہ سے دیکھا کہ جو لوگوں سے کہتا تھا کہ: میں خدا ہوں، میری پرستش کرو، آج اس کا کیا حال ہے؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا:

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ﴿٩٢﴾ (یونس)

ترجمہ: سو آج ہم تیرے بدن کو بچالیں گے؛ تاکہ تیرے پیچھے آنے والوں کے لیے (عبرت کی) ایک نشانی بن جائے اور یقیناً بہت سارے لوگ ہماری نشانیوں کے بارے میں غفلت ہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

جب فرعون پانی میں ڈوبا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے مرنے کی خبر بنی اسرائیل کو سنائی تو ان لوگوں پر فرعون کا رعب اتنا زیادہ تھا کہ وہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھے کہ وہ کیسے ڈوب گیا ہوگا؟

جب انھوں نے نہیں مانا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ: اس کی لاش کو نکال کر دریا کے کنارے ڈال دے۔

پھر جب بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے اس کو مرا ہوا دیکھا تب جا کر انھیں

یقین آیا۔ اس بات کو علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ بہت سارے مفسرین نے لکھا ہے۔

ایک حبشی عورت کا ایمانی جذبہ

وہاں دیگر ملکوں کے آئے ہوئے سیاح بھی موجود تھے، ان میں کچھ حبشی النسل لوگ بھی تھے، ایک سیاہ فام عورت فرعون کی لاش کے پاس آئی اور ہاتھ اونچا کر کے زور زور سے کہنے لگی: سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ۔

تو اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا؛ لیکن میرے اللہ رب اعلیٰ ہیں، تو نہیں۔ یہ بات وہ فرعون کی لاش کو مخاطب کر کے پورے ایمانی جذبے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ وہاں تصویر کھینچنے کی سخت ممانعت تھی، جیل کی بھی سزا ہو سکتی ہے؛ لیکن پھر بھی ہمارے کچھ ساتھی اپنی تدبیروں میں کامیاب ہو گئے، وقت ختم ہو رہا تھا؛ اس لیے ہم ہوٹل واپس ہوئے۔

جامع ازہر

اس کے بعد دوسرے دن یہ طے تھا کہ جامع ازہر کی زیارت کرنا ہے۔ جامع ازہر اور جامعہ ازہر دونوں الگ الگ چیز ہے، جامع ازہر ایک مبارک مسجد کا نام ہے اور اسی مسجد سے ایک مدرسہ شروع ہوا جو جامعہ ازہر یا ازہر یونیورسٹی سے معروف ہے، آج سے تقریباً گیارہ سو سال پہلے ۱۳۶ھ میں یہ مبارک مسجد قائم ہوئی تھی اور یہ بات مشہور ہے کہ جب اس مسجد کی بنیاد رکھی گئی تو اس مسجد میں کوئی خاص قسم کا کیمیکل لگا یا گیا، اسی وجہ سے اتنی عالی شان اور بڑی مسجد ہے پھر بھی اس میں کوئی کبوتر یا

چڑیا یا کوئی پرندہ نہیں بیٹھتا ہے۔

میں نے سوچا کہ یہ تو بہت اچھی چیز ہے، کاش! ہمیں بھی دستیاب ہو جائے؛ اس لیے کہ ہم نماز میں چھروں سے بہت پریشان رہتے ہیں۔
اسی جامع ازہر سے امت کو بڑا فیض پہنچا، ہزاروں ائمہ، محدثین، مفسرین یہاں سے امت کو ملے۔

جامعۃ الازہر؛ ازہر یونیورسٹی

وہیں جامعۃ الازہر ہے جو بہت لمبا چوڑا وسیع رقبہ میں پھیلا ہوا ہے، بہت سارے شعبے ہیں: فتاویٰ ڈپارٹمنٹ الگ ہے، اسلامیات کا شعبہ الگ، غرض سارے شعبے الگ الگ ہیں۔

وکیل الازہر سے ملاقات

ہمارے گائڈ مجھ سے پوچھنے لگے کہ: شیخ الازہر سے ملاقات کرنی ہے؟
میں نے کہا کہ: شیخ الازہر سے ملاقات اتنی آسان ہے کیا؟
ہم نے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی کتاب میں پڑھا تھا کہ شیخ الازہر سے ملاقات کے لیے دو تین دن پہلے سے وقت لینا پڑتا ہے۔
دراصل ایک ہیں وکیل الازہر اور ایک ہیں شیخ الازہر، دونوں الگ الگ شخصیتیں ہیں اور حکومت میں مصر کے صدر (President) کے بعد انھیں دونوں کا مرتبہ ہوتا ہے۔
ہم نے کہا: بہت اچھا، ملاقات ممکن ہو تو ضرور کریں گے۔

بعض مرتبہ ہمارا شناختی کارڈ بہت بڑے بڑے کام کروا دیتا ہے، چناں چہ میرا

تعارفی کارڈ جس میں میرے عہدے اور مناصب لکھے ہوئے ہیں، میں نے گانڈ کو دیتے ہوئے کہا کہ: پہلے یہ کارڈ اندر بھیجو، اللہ کرے کہ یہ کارڈ کچھ ذریعہ بن جائے۔ انھوں نے کارڈ بھیجا کہ ہندوستان کے بڑے عالم آئے ہوئے ہیں۔ فوراً جواب آیا کہ: ان کو اندر لے آؤ۔

ہم لوگ بڑی جانچ پڑتال اور سیکورٹی کے مراحل سے گذر کر اندر گئے اور شیخ الازہر کے سکریٹری سے اور دیگر لوگوں سے ملاقات کی، وکیل الازہر سے طویل ملاقات رہی اور پھر ہندوستان تشریف لانے کی دعوت دے کر ہم وہاں سے باہر نکلے، جامعہ ازہر کی زیارت کی، نماز بھی ادا کی، ہم نے دیکھا کہ بہت سے طلبہ وہاں پڑھ رہے ہیں اور محنت میں لگے ہوئے ہیں۔

جامعہ الحسین ﷺ

وہیں ایک ”مسجد حسین“ بھی ہے، کہتے ہیں کہ: نواسہ رسول حضرت حسین ﷺ کو کربلا میں شہید کرنے کے بعد ان کا سر مبارک یہاں مصر لایا گیا تھا اور ایک روایت کے مطابق یہیں وہ مدفون ہے، اس مسجد کا نام ”جامعہ الحسین“ ہے، ہم نے وہاں جا کر نماز ادا کی، ایک خاص جگہ کی نشان دہی کی گئی ہے کہ یہاں حضرت حسین ﷺ کا سر مبارک مدفون ہے۔

مصحف عثمانی اور آپ ﷺ کا عمامہ مبارک

نیز اسی مسجد میں وہ قرآن کریم بھی ہے جس کو حضرت سیدنا عثمان ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں تحریر کروا کر مختلف خطوں میں بھیجا تھا، ان سات نسخوں میں سے ایک

نسخہ مصر بھی بھیجا تھا وہ اسی مسجد حسین میں ہے جو چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔
اسی طرح حضرت نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب ایک عمامہ مبارک بھی ہے۔

علامہ بدرالدین عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی کے مزارات

اسی طرح وکیل احناف: علامہ بدرالدین عینیؒ جنہوں نے بخاری شریف کی شرح ”عمدة القاری“ لکھی ہے ان کا مزار مبارک بھی بالکل جامعہ ازہر سے متصل ہے، ان کی مستقل مسجد بھی ہے۔

اسی طرح دوسرے شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ان کا محلہ، ان کی مسجد، جس مسجد میں وہ درس دیتے تھے اس میں بھی جانا ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی قبر دوسری جگہ ہے یعنی حضرت عمرو بن عاصؓ کی قبر کے قریب ان کا مزار ہے، اللہ کے فضل و کرم سے وہاں بھی حاضری ہوئی۔

شرم الشیخ کی طرف

کافی دیر ان علاقوں کی زیارت رہی، پھر ہم جلدی جلدی ایئر پورٹ پہنچے، اس لیے کہ مصر کے ایک بہت اہم شہر ”شرم الشیخ“ جانا تھا، شام کو قاہرہ سے شرم الشیخ روانہ ہوئے، وہاں ٹھنڈی کچھ زیادہ تھی، ایئر پورٹ پر اترے تو ایک مصری شخص محمود الحنفی پہلے سے ہمارے انتظار میں کھڑے تھے جو عربی اور انگریزی بہت زوردار بولتے تھے، میں نے سوچا یہاں ہمارا کام ان کے ساتھ ان شاء اللہ! زوردار چلے گا۔

ہم باہر نکلے تو پتہ چلا کہ یہ وہ علاقہ ہے جہاں وادی سینا اور طور پہاڑ ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی، جہاں بنی اسرائیل رہے تھے۔

بحرِ قلزم جس میں فرعون غرق کیا گیا تھا

ایئر پورٹ سے نکلنے کے بعد تقریباً تین گھنٹے تک ہم نے بائی روڈ سفر کیا اور اس جگہ پہنچے، جس کو ”بحرِ قلزم“ یا ”ریڈ سی“ کہتے ہیں، یہ سرخ ہونے کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ وہاں بامبو جیسے درخت بہت ہیں، اس کی مناسبت سے اسے ”ریڈ سی“ کہتے ہیں۔ یہ وہی بحرِ قلزم ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ڈبوایا تھا اور بنی اسرائیل کے لیے بارہ راستے بنائے تھے۔

باری تعالیٰ کی عجیب حکمت

مصر سے فلسطین جانے کے اُس زمانے میں دو راستے تھے: ایک زمینی راستہ جو قریب تھا، دوسرا بحرِ احمر والا راستہ، وہ دور تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے کمالِ مصلحت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی دور والے راستے سے جانے کا حکم فرمایا، اس وقت تقریباً چھ سے آٹھ لاکھ بنی اسرائیل تھے، اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا اس حکمت سے دور والا راستہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔

واقعات رونما ہونے کے بعد کہا جاسکتا ہے کہ اس راستے کو حق تعالیٰ نے اس لیے ترجیح دی کہ خشکی کے راستے سے گزرنے میں فرعون اور اس کی فوج سے جنگ ضروری ہو جاتی؛ کیوں کہ انھوں نے بنی اسرائیل کو قریب ہی آلیا تھا، اور اگر دریا کا معجزہ پیش نہ آتا تو فرعون بنی اسرائیل کو واپس مصر لے جانے میں کامیاب ہو جاتا، اور چوں کہ صدیوں کی غلامی نے بنی اسرائیل کو بزدل اور پست ہمت بنا دیا تھا؛ اس لیے وہ خوف اور رعب کی وجہ سے کسی طرح فرعون کے ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوتے۔

بہر حال! بنی اسرائیل نے اشارہ غیبی سے مختصر راستہ چھوڑ کر طویل راستہ اختیار کیا اور بحرِ قلزم میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ پیش آیا۔

عجیب انداز کے راستے

امام ابن کثیرؒ نے عجیب بات لکھی ہے: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پر عصا مارا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو ہٹ جا، تو بارہ (۱۲) راستے بن گئے؛ چوں کہ بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، آپس میں جھگڑا نہ ہو، بھیڑ بھاڑ نہ ہو اور ترتیب سے اطمینان کے ساتھ پار ہو سکے۔ پانی بڑے پھاڑ کے مثل کھڑا ہو گیا اور شیشہ کی طرح راستے تھے کہ ہر قبیلہ والے گزرتے ہوئے دوسرے قبیلہ والوں کو دیکھ بھی رہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے، اس سے دل میں کوئی خوف بھی نہیں رہا کہ دوسرے قبیلہ والوں کا کیا حال ہے؟ اور تیز ہواؤں کے جھونکوں نے راستوں کو بالکل سوکھا کر کے عام سڑک کی طرح کر دیا تھا۔

یہ علاقہ بہت خوب صورت ہے، بڑی بات یہ ہوئی کہ ہم لوگ تھکے ہوئے تھے؛ لیکن بحرِ قلزم کے بالکل کنارے پانی سے لگ کر ہمارے شام کے کھانے کا انتظام تھا، تو اس پر کیف منظر نے ہماری ساری تھکن دور کر دی۔

بحرِ قلزم کے کنارے ”سمکِ موسیٰ“ کی خواہش

وہاں ہم سے پوچھا گیا کہ: کھانے میں کیا پسند کرو گے؟ میں نے کہا: بحرِ قلزم پر آئے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام والی مچھلی ضرور کھائیں گے؛ یعنی جس مچھلی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھایا تھا اور قرآن کی سورہ کہف میں جس کا ذکر

ہے، ہم تو وہی کھائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد خادم نے آکر اطلاع دی اور معذرت چاہی کہ: اس وقت ہمارے پاس ”سمکِ موسیٰ“ اسٹاک میں نہیں ہے، اگلی مرتبہ آپ کو ضرور کھلائیں گے۔

بہر حال! بحرِ قلزم کے کنارے رات کا کھانا کھایا، عشا کی نماز پڑھی، آگے بڑھے تو بتایا گیا کہ: جس جگہ ہم نے بیٹھ کر کھانا کھایا یہی ”وادی سینا“ کہلاتی ہے۔

میں نے کہا: یا اللہ! جس مقدس وادی کا آپ نے بار بار قرآن میں ذکر کیا ہے، جس کی قسم کھائی اس جگہ ہمارے قدم پہنچائے، اب اس کی برکات سے ہم سب کو مالا مال بھی فرما دیجیے۔

”کوہ طور“ کی طرف

جس رات ہم ”شرم الشیخ“ پہنچے تو بتایا گیا کہ: اسی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام والے پہاڑ پر جانا ہے۔ ہم سوچنے لگے کہ: آخر یہ راتوں رات کیوں پہاڑ پر لے جایا جاتا ہے؟ لیکن بہر حال! گئے، کچھ کلومیٹر گاڑی سے چلنے کے بعد ہمیں اتار دیا گیا اور بتایا گیا کہ: بس! سامنے ہی وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چالیس (۴۰) دن اعتکاف و قیام فرمایا تھا اور یہیں وہ درخت بھی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نور دیکھا تھا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے بات چیت کا موقع ملا تھا۔

رات کو تقریباً ایک بجے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا

سخت سردی کی رات میں تقریباً ایک بجے ہم نے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا، بالکل

سناٹا تھا، صرف گرم کپڑوں کی دکانیں کھلی ہوئی تھیں، انھیں معلوم تھا کہ رات کو ٹورسٹ حضرات آتے ہیں؛ اس لیے دکانیں کھلی رکھی تھیں۔

ہم نے سردی کے کپڑے خریدے؛ کیوں کہ بتایا گیا کہ: جب یہاں اتنی سردی ہے تو اوپر مائنس ڈگری ہوگی، ہم گیارہ ساتھیوں میں سے دو کے علاوہ۔ جن میں ایک معذور تھے اور ایک عمر دراز تھے۔ نو (۹) ساتھیوں نے رات کے وقت اوپر چڑھنا شروع کیا۔

رات کو پہاڑ پر چڑھنے کی حکمت

اب ہمیں حکمت سمجھ میں آئی کہ اگر دن میں اوپر لے جایا جاتا تو اس کی دشواری کو دیکھ کر ہر کوئی ہمت ہار جاتا؛ چوں کہ بہت ہی بلند اور عجیب چڑھان ہے؛ اس لیے رات کی تاریکی میں لے جایا جاتا ہے اور صرف ہم ہی نہیں؛ بلکہ دور دراز سے آئے ہوئے روزانہ ایک ہزار یہودی اور دیگر لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد میں اوپر چڑھتے ہیں، مجھے یہاں عاشورہ والی وہ روایت یاد آگئی جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

نَحْنُ أَحَقُّ بِمُوسَىٰ.

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یاد میں ایک ہزار یہودی اوپر چڑھتے ہیں تو ہمیں بھی ہمت کر کے چڑھنا چاہیے۔

رات کی تاریکی میں پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ کتنا اونچا جانا ہے، پھر معلوم ہوا کہ سات کلومیٹر اوپر چڑھیں گے تب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والی جگہ آئے گی، وہاں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں؛ اس لیے ڈروغیرہ محسوس نہیں ہوتا۔

کوہ طور پر چڑھتے ہوئے سورہ طہ کی تلاوت کی لذت

میں نے اپنے ایک ساتھی مولانا صادق صاحب مانیکپوری زید مجدہم سے کہا کہ: یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پہاڑی ہے؛ اس لیے ان کی یاد میں سورہ طہ کی تلاوت ہونی چاہیے۔ ہمارے ایک ساتھی نے سورہ طہ کی تلاوت شروع کی اور ہم ایک دم مست ہو کر چلنے لگے۔

آپ اندازہ لگائیے کہ جس وادی اور مقام کا قرآن میں تذکرہ ہوا سی جگہ پر پہنچ کر اس کو سننے کا کیا مزہ آیا ہوگا اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا!!!

تلاوت سنتے سنتے ہم چار گھنٹے بیس منٹ تک پیدل چلے اور اس مقام پر پہنچے، چلتے چلتے ہم نے صبح صادق کا صاف صاف نظارہ بھی کیا اور ساتھیوں کو بھی کروایا، اور ستارہ (Venus) بھی دیکھا، وہاں طلوع آفتاب کا وقت بالکل قریب تھا، ہمیں نماز کی فکر ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بالکل چوٹی پر ایک مسجد بھی ہے اور پڑوس میں ایک چرچ بھی بنا ہوا ہے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: جلدی جلدی وضو کرو؛ ورنہ فجر قضا ہو جائے گی، چنانچہ سردی کی شدت کی وجہ سے ہم وضو میں پانی کا استعمال ایسے کر رہے تھے جیسے جسم پر کریم لگا رہے ہوں، پھر فجر کی نماز پڑھی اور اشراق تک وہیں رہے، طلوع آفتاب کا نظارہ بھی بڑا عجیب تھا، دور دراز تک سلسلہ جبال طور کا مشاہدہ کرتے رہے۔

اس درخت کی زیارت جس پر اللہ کی تجلی کا نور اترتا تھا

پوری رات پہاڑ پر چڑھنے میں گزری، پھر دو گھنٹے تقریباً واپسی میں گزرے، ہم

لوگ صبح کو نیچے اترے تو اس وقت تھکن ختم ہو گئی، جب بتایا گیا کہ: اب ہمیں بہت اہم چیز کا مشاہدہ کرنا ہے؛ یعنی وہ درخت جس پر اللہ کی تجلی کا نور اترتا تھا، جس پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ تعالیٰ کا نور دیکھا تھا اور اللہ تعالیٰ سے بات چیت کی تھی۔

پہاڑ سے اتر کر آگے بڑھے تو ایک چھوٹا سا قلعہ نما احاطہ بنا ہوا ہے اس میں یہ درخت ہے، بتایا جاتا ہے کہ: جس جگہ یہ درخت ہے اس سے تقریباً چار، پانچ میٹر کے فاصلے پر اصل وہ درخت تھا اور اسی اصل درخت کی جڑ میں سے یہ درخت نکلا ہوا ہے جو اس وقت موجود ہے اور یہ اس طرح ہوتا رہتا ہے کہ درخت کی شاخیں لمبے عرصے میں سوکھ جاتی ہیں، پھر جڑوں سے دوسری نئی ہری شاخ نکلتی ہے۔

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو نبوت ملنے کا واقعہ

واقعہ یہ ہوا تھا کہ: جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اپنی بیوی حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کو مدین سے مصر لے کر آرہے تھے تو ان کو ”درِ زہ“ شروع ہوا، سخت ٹھنڈی رات تھی، آپ (علیہ السلام) نے اپنی بیوی سے کہا کہ:

وَهَلْ أَتَيْتُكَ حَدِيثُ مُوسَى ۖ إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجْدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿٩﴾

ترجمہ: اور (اے محمد! ﷺ) کیا تمہارے پاس موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ نہیں پہنچا؟ جب ان (موسیٰ علیہ السلام) کو (طور پہاڑ پر ایک) آگ نظر آئی تو اپنی بیوی سے کہا: تم یہیں ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید کہ میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی شعلہ لے آؤں یا آگ کے پاس راستے کا پتہ (بتانے والا کوئی) مل جائے۔

بیوی کو جمع کے صیغہ سے خطاب

مذکورہ آیت میں جمع کا صیغہ آیا ہے؛ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو جمع کے صیغہ سے خطاب فرمایا کہ: تم یہاں رک جاؤ۔ اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں: ایک تفسیر یہ ہے کہ کبھی تعظیم اور تکریم کے طور پر واحد کو جمع کے صیغہ سے خطاب کرتے ہیں؛ اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو تعظیم اور تکریم کے صیغہ سے خطاب کرنا یہ نبیوں کا طریقہ ہے۔

بہر حال! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہاں ذرا رک جاؤ، مجھے اوپر آگ نظر آرہی ہے، میں جاتا ہوں اور آگ لے کر آتا ہوں، اگر وہ آگ ہے تو کوئی آگ سلگانے والا بھی ہوگا تو ان سے پوچھوں گا کہ: مصر جانے کا راستہ کون سا ہے؟ یہ کہہ کر وہاں اپنی بیوی کو کھڑا کیا تھا اور خود آگ لینے کے لیے تشریف لے گئے۔

ہم جس جگہ کھڑے تھے میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت صفورا رضی اللہ عنہا کہیں رُکی ہوگی۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تو ایک لکڑی لی، یا گھاس کے تنکے جمع کیے؛ تاکہ اس کو جلا لیں؛ لیکن جب آپ آگے بڑھتے تو آگ پیچھے ہٹ جاتی، جب آپ واپس ہوتے تو آگ آگے بڑھ کر ان کے سامنے آ جاتی، عجیب و غریب آگ تھی، آگ تو جلانے کا کام کرتی ہے؛ لیکن وہ ایسی آگ تھی کہ لکڑیاں تو کیا جلاتی، پتے بھی نہیں جلتے تھے اور حتیٰ وہ آگ بھڑکتی اتنے درخت کے پتے اور زیادہ روشن ہو جاتے، ہریالی، تازگی اور چمک میں اضافہ ہوتا، آپ علیہ السلام اس کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔

اسی وقت آواز آئی:

فَلَمَّا أَتَتْهَا نُودِيَ يَمُوسَى ۝ اِنِّیْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰی ۝ اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۝

ترجمہ: سوجب وہ (موسیٰ علیہ السلام) اس (آگ) کے پاس پہنچے تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) آواز دی گئی کہ: اے موسیٰ! ﴿۱۱﴾ پورا یقین رکھو! میں تمھارا رب ہی ہوں، تم اپنے دونوں جوتوں کو نکال دو، یقینی بات ہے کہ تم طوئی نامی مقدس میدان میں ہو ﴿۱۲﴾ اور میں نے (نبوت کے لیے) تم کو چن لیا ہے، سوجوبات وحی کے ذریعے کہی جائے وہ دھیان سے سنو ﴿۱۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ میں اللہ ہی ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، سو تم میری ہی بندگی کرو اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔

خدا کی عنایت کا پوچھیے موسیٰ سے کوئی حال آگ لینے کو جائیں اور پیمبری مل جائے

جب آپ ﷺ وہاں پہنچ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! تم بہت بابرکت جگہ پر آئے ہو؛ اس لیے جوتے نکال لو۔ یہ ادب سکھلایا گیا۔

فاخلع نعلیک کی وجہ اور اس پر عمل کی سعادت

مجھے بھی یہ بات یاد تھی؛ اس لیے ہم نے سوچ رکھا تھا کہ ہم بھی اپنی جوتیاں وہاں نکال دیں گے؛ چنانچہ ہمارے ساتھی ”بلال بھائی کاریا“ نے توجہ دلائی کہ: ہم جوتیاں نکال دیں؟ میں نے کہا کہ: ہاں! سب نکال دو۔

حضرات مفسرین نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ: اس مبارک وادی کی مٹی حضرت

موسٰی علیہ السلام کے بدن سے لگے: اس لیے یہ جوتیاں نکلوائی گئی تھیں۔

وہاں کے پولس اور سیکوریٹی والے انہیں حیرت کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ ہم لوگ اندر داخل ہوئے، اس درخت کو کافی دیر تک دیکھتے رہے، تجلیاتِ الہی کا تصور کر رہے تھے، ہم ایسے غرقاب و مست ہوئے کہ رات بھر کی تھکن کہاں غائب ہو گئی پتہ ہی نہ چلا۔

زیتون کے درخت

پھر وہاں آس پاس بہت سارے زیتون کے درخت تھے، میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: یہ وہ زیتون کے درخت ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالذَّهْنِ وَصَبْغٍ لِلَّكِلَيْنِ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اور ایسے (زیتون کے) درخت کو جو طورِ سینا سے نکلتا ہے وہ تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن لے کر اگتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بات لکھی گئی کہ دنیا میں سب سے پہلے زیتون کا درخت اسی وادیِ سینا میں اگا تھا۔ لگتا ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں فرمایا ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: اس کے پتے اور لکڑیاں لے لو، ہم اپنے وطن جا کر اس کو اگائیں گے، ان کی برکات میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

مدین کا کنواں

ہمیں وہاں ایک کنواں دکھایا گیا، اس کے بارے میں بتایا گیا کہ: حضرت موسٰی علیہ السلام نے بھی اس کنویں کا پانی پیا ہے۔

دوسری بات یہ بتائی گئی کہ: مدین بستی کہاں تھی؟
اس میں مفسرین کی مختلف رائیں ہیں؛ لیکن ایک قول یہ ہے کہ مدین کے جس
کنوئیں کا ذکر قرآن مجید میں ہے:

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ.

ترجمہ: اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو لوگوں کے ایک مجمع کو
دیکھا کہ (کنوئیں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔
وہاں بتایا جاتا ہے کہ وہ کنواں یہی ہے، واللہ اعلم بالصواب!
چنانچہ ہم نے اس کنوئیں کی زیارت کی اور باہر نکلے۔

جس زیتون کے تیل کا قرآن میں ذکر ہے

اس کی خریداری کی سعادت

میں نے کہا کہ: ہم نے لکڑیاں تو توڑ لیں؛ لیکن زیتون کے لیے اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْأَكْلَيْنِ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور طور سینا سے جو (زیتون کا) درخت نکلتا ہے وہ تیل اور کھانے والوں
کے لیے سالن لے کر اگتا ہے۔ (البؤمنون)

یعنی یہاں کے تیل کا بھی قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

میں نے اپنے گانڈ سے عربی میں کہا: یہاں کے دیہاتی بدوؤں سے پوچھو کہ:
یہاں کے زیتون کا تیل ہمیں مل سکے گا؟

اس نے جا کر دو چار لوگوں سے پوچھا تو ایک نے کہا کہ: میرے پاس ہے اور یہیں کے زیتون کا تیل ہے۔

میں نے کہا: بالکل کچی بات؟

اس نے کہا: اللہ کی قسم! یہیں کا ہے۔

میں نے کہا: یہ مجھے لے جانا ہے۔

اس نے کہا: نوسو (۹۰۰) پاؤنڈ میں دوں گا۔

میں نے کہا کہ: جو قیمت تو مانگے گا، دوں گا: اس لیے کہ قرآن میں اس جگہ کے تیل کا ذکر ہے۔ الحمد للہ! اس کو ساتھ لانے اور استعمال کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے برکات سے مالا مال فرمائے، آمین!

سونے کا بچھڑا

پھر ہم وہاں سے آگے چلے، گانڈ نے کہا کہ: اب دوسری اہم اہم زیارتیں شروع ہو رہی ہیں۔ آج منگل کا دن تھا، ایک جگہ انھوں نے گاڑی رکوائی، بڑا میدان تھا، ہم نیچے اترے، وہاں ایک بورڈ لگا ہے جس پر عربی میں لکھا ہوا تھا ”العجل الذهبي“ یعنی سونے کا بچھڑا (Golden cow)، یہ وہ جگہ تھی جہاں پر بنی اسرائیل نے سونے کا بچھڑا بنایا تھا، جس کا ذکر قرآن میں کئی جگہوں پر ہے۔

سامری اور اس کے بچھڑا بنانے کا قصہ

بنی اسرائیل جب مصر سے نکلے تھے تو ان کی عورتوں کے پاس فرعونوں کے بہت سارے سونے چاندی کے زیورات تھے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پہاڑ پر چالیس

دن گزارنے کے لیے تشریف لے گئے تب سامری نے لوگوں کو ایک شیطانی بات کہی کہ: جو زیورات ہمارے پاس ہیں وہ ہمارے لیے حلال نہیں ہیں؛ اس لیے جلدی جلدی سب زیورات لاؤ اور ایک گڑھے میں جمع کرو۔

اس کے بعد اس نے ان زیورات میں آگ لگوا دی اور ان کو پگھلا کر سونے کا ایک بچھڑا یعنی پتلا بنایا اور جب اس کو پگھلایا جا رہا تھا تو سامری نے ایک چھوٹی سی پڑیا اس میں ڈالی اور حضرت ہارون علیہ السلام جو وہاں کھڑے تھے ان سے کہا کہ: میرے لیے اللہ سے دعا کرو کہ: میں جو نیت کروں اللہ اس کو پورا فرمائے۔

اس پڑیا میں کونسی مٹی تھی؟

جب حضرت جبریل علیہ السلام فرعون کو ڈبونے کے لیے تشریف لائے تو ان کی گھوڑی یا گھوڑا جہاں جہاں قدم رکھتا تھا وہاں جنگل و بیابان میں ہری ہری گھاس اُگ جاتی تھی، سامری نے وہ منظر دیکھا، قرآن میں ہے:

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذَلِكَ سَوَّلَتْ لِي نَفْسِي ﴿٩٦﴾

اس نے کہا: میں نے ایک ایسی چیز دیکھ لی تھی جس کو ان (دوسروں) نے نہیں دیکھا تھا اور میں نے رسول (فرشتے) کے نشانِ قدم سے ایک (خاک کی) مٹی اٹھالی تھی اور میں نے اس کو ڈال دیا (اس وقت) میرے دل نے ایسی ہی بات مجھے سمجھائی تھی۔

سامری کی پرورش حضرت جبریل علیہ السلام نے کی تھی

سامری جبریل امین کو پہچانتا تھا اور کیوں اور کیسے پہچانتا تھا وہ لمبا قصہ ہے، مختصر یہ

کہ سامری کی ولادت کے وقت اس کی ماں نے فرعون کے ڈر سے ایک مٹکے میں اس کو چھپا دیا تھا، حضرت جبریل علیہ السلام وہاں تشریف لاتے اور اس کی پرورش کرتے۔ بعض حضرات نے یہاں تک لکھا ہے کہ سامری ہندوستان کی گاؤں پرست قوم کا ایک فرد تھا جو ہجرت کر کے مصر گیا تھا۔

بہر حال! جہاں حضرت جبریل علیہ السلام کی سواری کا قدم پڑا تھا وہاں کی مٹی سامری نے اٹھا کر رکھ لی تھی، اور اس پگھلے ہوئے سونے چاندی میں اس نے مٹی ڈالی:

فَقَدْ فَنَہَا فَكَذٰلِكَ اَلْفَى السَّامِرِیُّ ﴿٨٧﴾

ترجمہ: پھر اسی طرح سامری نے (اس کے پاس جو کچھ تھا آگ میں) ڈال دیا۔

آواز والا بچھڑا

اس سے بچھڑا پیدا ہوا تو اس سے آواز نکلتی تھی:

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ

ترجمہ: سو اس (سامری) نے ان (لوگوں) کے سامنے ایک بچھڑا (زیور میں سے بنا کر) نکالا جو صرف ایک جسم تھا، جس میں سے (بچھڑے جیسی) ایک آواز نکلتی تھی۔

پھر سامری نے لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا، کہا:

فَقَالُوا هٰذَا اِلٰهُكُمُ وَاِلٰهُ مُوسٰی فَنَسِیْ ﴿٨٨﴾

ترجمہ: (یہ منظر دیکھ کر سامری کی بات ماننے والے، یعنی بچھڑے کی پوجا کرنے والے) کہنے لگے: یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے، سو وہ (موسیٰ) بھول گئے (اور طور پر خدا کی تلاشی میں چلے گئے)۔

یہ کہہ کر پوری قوم کو گمراہ کیا اور اس کی پوجا میں لگا دیا، جس جگہ یہ واقعہ پیش آیا تھا اس جگہ کو ہم نے دیکھا۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پہاڑ سے واپس آئے، تو آپ کو صورتِ حال سے آگاہ کیا گیا، آپ نے اس بچھڑے کو جلا ڈالا، جن جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی ان سب کو قتل کر دیا۔

بچھڑے کی تصویر والا پتھر

ایک عجیب بات بتلاؤں: وہ یہ کہ گائڈ نے پہاڑ پر ایک پتھر بتایا جس کو غور سے دیکھنے سے بچھڑے کی تصویر نظر آتی ہے جو قدرتی ہے، کسی انسان کی تراشی ہوئی نہیں ہے، بتایا گیا کہ: یہاں کے بدوؤں میں یہ بات مشہور ہے کہ: یہ تصویر بطور معجزہ کے ہے کہ جہاں ان لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی وہاں اس کی تصویر قدرتی طور پر بن گئی، ہو سکتا ہے کہ کسی دور میں کسی نے واقعے کی یاد تازہ رکھنے کی نیت سے اس کو تراشا ہو، اور مورِ زمانہ سے اس کے اثرات کم ہو گئے ہوں۔

مقام ہارون علیہ السلام کی زیارت

پھر ہم آگے چلے تو ایک جگہ چھوٹا سا گنبد بنا ہوا نظر آیا، وہاں لکھا تھا ”مقام ہارون؛ یعنی یہ حضرت ہارون علیہ السلام کے رہنے کی جگہ تھی، اس کی بھی زیارت کی۔“

مقام صالح علیہ السلام کی زیارت

پھر وادی طویٰ سے نکل کر آگے چلے تو مقام صالح علیہ السلام نظر آیا؛ یعنی حضرت صالح علیہ السلام نے کچھ وقت وہاں قیام کیا ہوگا۔

یہ پورا علاقہ جو میدان ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے رہنے کی جگہیں تھیں؛ اس لیے وہاں یہودی لوگ آتے ہیں اور قیام کرتے ہیں کہ یہ ہمارے باپ دادا کے قیام کی جگہیں ہیں، وہاں بڑی عالیشان ہوٹلیں بنی ہوئی ہیں۔ ہم نے طور سینا سے واپس قاہرہ جانے کے لیے ہوائی جہاز کے بجائے کار سے سفر طے کیا تھا؛ تاکہ ”وادی تہ“ وغیرہ کی اچھی طرح زیارت ہو سکے اور بحرِ قلزم کے حسین مناظر سے بھی لطف اندوز ہو سکیں۔

بہر حال! طور سینا سے قاہرہ کا سفر بہت ہی پُر کیف رہا اور ہم زیارتوں کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اوراق میں گم ہوتے ہوئے گذرے، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی پیاری یادوں سے برابر ایمان کو تازگی ملتی رہی۔

آبارِ موسیٰ علیہ السلام

وہاں سے نکل کر آگے بڑھے، ایک جگہ ہے ”آبارِ موسیٰ“، جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، قرآن میں نہیں ہے، جب فرعون کے ڈوبنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر آگے بڑھے تو ایک جگہ پڑاؤ ڈالا، وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے قدرتی کنوئیں بنا دیے جن کی تعداد تقریباً دس ہیں، بحرِ قلزم کے بالکل قریب، جس میں آٹھ کنوئیں تو مردِ زمانہ کی وجہ سے سوکھ گئے ہیں؛ لیکن دو کنوئیں میں پانی اب بھی موجود ہے۔

عیونِ موسیٰ علیہ السلام

عبدالوہاب بن نجار نے قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ: پانی کے وہ چشمے جن کا ذکر

بنی اسرائیل کے واقعات میں آیا ہے، بحر احمر کے مشرقی بیابان میں سوئیز سے زیادہ دور نہیں ہیں اور اب بھی عیون موسیٰ (موسیٰ علیہ السلام کے چشمے) کے نام سے مشہور ہے، ان چشموں کا پانی اب بہت کچھ سوکھ گیا ہے، اور بعض کے تو آثار بھی قریب قریب معدوم ہو گئے ہیں، اور کہیں کہیں ان چشموں پر اب کھجور کے باغات نظر آتے ہیں۔

وادئِ تِیہ میں

وادئِ سینا کو ”تِیہ“ اس لیے کہتے ہیں کہ قرآن عزیز نے بنی اسرائیل کے لیے کہا ہے: نیتِ یھون فی الارض (یہ اس زمین میں بھٹکتے پھریں گے) جب کوئی شخص راہ سے بھٹک جائے تو عربی میں کہتے ہیں: ”ثَاءَ فُلَانٍ“۔

چنانچہ ہم وادئِ تِیہ میں پہنچے۔ بنی اسرائیل نے جب اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی تو چالیس برس تک یہی میدان بنی اسرائیل کے لیے جیل خانہ بن گیا تھا، اس میں وہ لوگ چکر کاٹتے رہے اور اس دوران اللہ تعالیٰ نے ان پر قسم قسم کی نعمتیں بھی اتاریں جس میں سے ”من“ اور ”سلوئِ“ بھی ہے۔

میں نے گانڈ سے پوچھا کہ: من و سلوئِ ہے کہ نہیں؟

اس نے کہا: ”من“ تو نہیں ہے؛ لیکن ”سلوئِ“ کے بارے میں بہت سی تفسیروں میں لکھا ہے کہ: اس سے مراد ہے ”الطیر السمانی“ یعنی تیر ہے، وہ اس علاقے میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ اور ”من“ تو ایک قسم کا میٹھا گوند ہوتا تھا۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت تھی کہ اتنا بڑا میدان جس کے چاروں طرف کوئی دیوار اور احاطہ نہیں تقریباً چالیس سال تک بنی اسرائیل کے لیے جیل بن گیا۔

جیل میں بھی نوازشاتِ الہیہ

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کتنے رحم و کرم فرماتے ہیں !!!

بنی اسرائیل قید میں ہیں اس وقت بھی نوازشاتِ الہیہ برابر جاری ہیں، کھانے کے لیے من و سلوی کا انتظام، گرمی اور دھوپ سے حفاظت کے لیے بادل کا سایہ اس طرح کہ جہاں بنی اسرائیل جاویں بادل بھی ساتھ چلے، پانی کے لیے ایک ہی پتھر سے بارہ چشمے اور وہ بھی ہر خاندان کی تعداد کے اعتبار سے چشموں کے پانی میں کمی بیشی، رات کی تاریکی میں روشنی کے لیے بنی اسرائیل جہاں قیام فرماتے وہاں عمودی شکل میں روشنی ہو جاتی، بچوں کی عمر جیسے جیسے بڑی ہوتی کپڑے بھی ساتھ بڑے ہوتے جاتے، یہ سب نعمتیں باری تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر قید کے زمانے میں بھی جاری رہیں، اللہ تعالیٰ کیسے نوازنے والے ہیں !!!

نہرِ سوئز (Suez Canal)

وادیِ تیبہ سے قاہرہ جاتے ہوئے نہرِ سوئز سے گزرنا ہوا، سوئز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: اس کی اتنی آمدنی ہے کہ پوری مصری قوم کو کوئی کام نہ کرے تو بھی محض اس نہرِ سوئز کی آمدنی سے پورا مصر کھاپی کر گزارا کر سکتا ہے، اس نہرِ سوئز کے نیچے سے راستہ نکلتا ہے، ہم گزرے؛ لیکن بہت دیر تک انتظار میں کھڑے رہنا پڑتا ہے؛ چونکہ گزرنے والی گاڑیاں اور ٹرک بہت بڑی تعداد میں ہوتے ہیں، پھر ہم دریا کے نیچے سے گزر کر قاہرہ پہنچے۔

اسکندریہ شہر

دوسرے دن بدھ کو ہمیں اسکندریہ جانا تھا، یہ بھی اسکندریہ کا بسایا ہوا مصر کا ایک مشہور شہر ہے، جو یونان (Greece) سے مصر آیا تھا اور یہاں قیام کیا تھا؛ اس لیے اس کا نام اسکندریہ ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ

① حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے ۲۸۸ سال پہلے اسکندریہ کے کتب خانہ کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔

② حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے اڑتالیس (۴۸) سال پہلے اس کتب خانے میں آگ لگنے کی وجہ سے کتب خانہ جل کر خاک ہو گیا تھا۔

③ اس کتب خانے میں ایک سال میں ایک کروڑ لوگ آتے ہیں۔

④ اس کتب خانے کا احاطہ 40,200 میٹر ہے، اور اس کتب خانے میں گیارہ (۱۱) منز لے ہیں۔

⑤ اس کو ایک ساتھ دو ہزار لوگ استعمال کرتے ہیں۔

⑥ اس میں مطالعے کے لیے سو (۱۰۰) کمرے ہیں، اس میں سے تین (۳) کمرے نایاب کتابوں کے ہیں، اور پانچ (۵) کمرے طہ حسین نامی کتب خانے کے ہیں۔

⑦ یہ ایسا کتب خانہ ہے جس میں ایسی ٹیکنالوجی ہے جس کے سہارے سے ناپینا لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

⑧ اسکندریہ کے کتب خانے میں فی الحال پانچ لاکھ اکتیس ہزار چیزیں ہیں، جو

کتابوں، نقوشوں، اور رسالوں پر مشتمل ہیں، اس میں چھیالیس ہزار انیس جلدیں نایاب کتابوں کی ہیں۔

⑨ اس کے کانفرنس ہال میں ایک ہزار چھ سو اڑتیس سیٹیں ہیں۔

⑩ اس کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ اس میں آٹھ کروڑ کتابیں سما سکیں۔

صاحبِ قصیدہ بُردہ علامہ بوسیریؒ کے شیخ کے مزار پر

اس دن کی اہم زیارتوں میں سلسلہ شاذلیہ کے بزرگ علامہ بوسیریؒ کے شیخ کا مزار تھا، جن کا نام شیخ ابوالعباس مرتیؒ ہے، وہاں ان کی مسجد بھی ہے اور خانقاہ بھی نیز مسجد میں ہی آپ کا مزار بھی ہے، مسجد ہی کے قریب علامہ بوسیریؒ کا بھی مزار ہے۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: جانتے ہو یہ شیخ بوسیریؒ صاحبِ قصیدہ بردہ کون بزرگ ہیں؟ یہ بے مثال عاشقِ رسول تھے، ان کے مزار پر ہم نے دیر تک فاتحہ پڑھا اور ایصالِ ثواب کیا۔

”سمکِ موسیٰ“ کھانے کی سعادت

وہاں سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ”سمکِ موسیٰ“ کھانے کی تمنا بھی وہیں پوری فرمادی، اس دن دوپہر کا کھانا سمندر کے بالکل کنارے پر تھا، وہاں قسم قسم کی مچھلیاں رکھی تھیں جس میں ”سمکِ موسیٰ“ بھی تھی، یہ وہی مچھلی کی قسم ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھائی تھی اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی نشانی یہی بتائی گئی تھی کہ:

اے موسیٰ! اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو اور سفر میں نکلو، اس مچھلی کو کھاتے بھی رہو اور جہاں وہ زندہ ہو جائے بس وہیں آپ کی حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوگی۔

تفسیروں میں لکھا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو مچھلی کھائی تھی جو پھر زندہ ہو کر دریامیں چلی گئی تھی آج تک دریامیں اس کی نسل موجود ہے۔

۲۰۰۰ء میں جب صدی بدلی تھی تب میرا سینٹرل امریکہ کا پہلا سفر ہوا تھا تو وہاں پہلی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام والی مچھلی کھانے کا موقع ملا تھا اور عجیب اللہ کی قدرت کہ جیسا قرآن میں بتایا گیا ہے اسی انداز میں مچھلی کی نسل موجود ہے؛ یعنی تفسیروں میں لکھا ہوا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طرف کی پوری مچھلی کھا چکے تھے اور دوسری طرف گوشت باقی تھا تو اس کی نسل میں بھی ایک طرف گوشت نہیں ہوتا، کاٹا رہتا ہے اور صرف ایک طرف گوشت ہوتا ہے، فتبارک اللہ احسن الخالقین !!!

حضرت لقمان علیہ السلام اور حضرت دانیال علیہ السلام کے مزار پر

پھر ہمیں اسکندریہ میں حضرت لقمان علیہ السلام کے مزار کو بھی تلاش کرنا تھا، اسی لیے عصر کے وقت نکلے، ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک بہت پرانی مسجد میں پہنچ گئے، مسجد میں ایک تہہ خانہ ہے، اسی میں حضرت لقمان علیہ السلام کی قبر ہے اور اس قبر کو وہاں زیادہ لوگ جانتے بھی نہیں۔

اسی مسجد میں حضرت دانیال علیہ السلام کا بھی مزار ہے اور مسجد کا نام بھی مسجد دانیال علیہ السلام ہے، نماز کے بعد ہم نیچے تہہ خانے میں اترے تو دونوں بزرگوں کی قبر پر حاضری نصیب ہوئی۔

اسکندریہ سے فارغ ہو کر ہم قاہرہ آنے کے لیے تیار ہوئے، اس سفر کا آخری دن بدھ تھا اور ابھی بہت ساری زیارات باقی تھیں۔

قاہرہ میں: درخت سے کاغذ

اس دن اہم زیارتوں میں ایک یہ تھا کہ وہاں ایک خاص قسم کا درخت ہوتا ہے جس سے وہ لوگ کاغذ بناتے ہیں اور ہماری آنکھوں کے سامنے انھوں نے کاغذ بنایا، پوری کارروائی ہمارے سامنے کرتے ہیں، درخت کو کاٹا اور پھر اس کو مختلف مراحل سے گزار کر ہمارے سامنے کاغذ بنایا۔

اس پر قرآن کریم کی آیتیں بہت خوب صورت انداز میں لکھتے ہیں جس کو روشنی اور تاریکی دونوں میں پڑھا جاسکتا ہے، آیتیں چمکتی ہیں، وہ کافی مہنگی فروخت کرتے ہیں؛ لیکن اپنے گجراتی لوگ بھاؤ کرانے میں بڑے ماہر ہیں؛ اس لیے ہم گیارہ ساتھیوں نے مل کر اپنی اپنی پسندیدہ تختیوں کو اپنی اپنی پسندیدہ قیمتوں میں خریدا۔

مصر کی روٹی (کاٹن) بھی بہت مشہور ہے، اس کی مارکیٹ بھی ہم نے دیکھی۔

جمعرات کا دن ہمارا پورا ہوا اور رات کو ہماری واپسی کی فلائٹ تھی۔

اب میں وہ فہرست شمار کروانا چاہتا ہوں کہ مصر کے اس سفر میں قاہرہ میں کن کن اولیاء اللہ کے مزارات پر ہم نے حاضری دی، بہت سے نام تو آچکے ہیں۔

سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار

سیدنا حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مزار پر حاضری ہوئی، ہم وہاں عشا کے وقت پہنچے تھے، ان کی بہت ساری روایتیں کتب حدیث میں منقول ہیں، جب ان کے مزار پر گئے تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: میرے پیر و مرشد حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ۔ جب چھتہ مسجد دیوبند میں ان کی خدمت میں رہتا تھا تو۔ بڑے اہتمام سے یکم رمضان

اور انیس رمضان کو حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی وہ روایت پڑھ کر اس پر ضرور تقریر فرماتے تھے:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ: مَا النَّجَاةُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟

قَالَ: أَمْلِكُ عَلَىكَ لِسَانَكَ وَلَيْسَعَكَ بَيْتُكَ وَابْنُكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ.

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ: نجات کیسے ملے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: عقبہ! اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمھارا گھر تم کو سمو کر رکھے اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔

یہ حدیث میں نے ساتھیوں کو سنائی اور جب آپ کا نام آیا تو آنکھوں میں آنسو آگئے کہ یا اللہ! آج اسی جگہ ہم کھڑے ہیں۔

نوٹ: اس حدیث پر تفصیلی بیان بندے کے خطبات میں موجود ہے۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک

جس مسجد میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اس مسجد میں داخل ہوتے وقت دائیں طرف حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک ہے جن کے مبارک ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مصر فتح فرمایا تھا۔

دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات

اور بھی بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں؛ لیکن جیسا کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ: ان صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات یا تو مٹ گئے یا دنیا

میں ان کے جاننے والے لوگ اب نہیں رہے۔

امام زیلعیؒ، عزالدین ابن عبدالسلامؒ اور علامہ سیوطیؒ کے مزارات

اس کے علاوہ صاحب نصب الراية امام زیلعیؒ اور علامہ عزالدین ابن عبدالسلامؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، اور علامہ سیوطیؒ کے مزار پر بھی حاضری دی۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ کے مزار پر

اسی طرح سید احمد کبیر رفاعیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، ہمارے یہاں گجرات میں بھی جو رفاعی خانقاہ ہے وہ انھیں کی طرف منسوب ہے۔

سید احمد کبیر رفاعیؒ کی کرامت

ان کی ایک کرامت مشہور ہے کہ جب وہ مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر سلام پیش کرنے کے لیے حاضر ہوئے تو قبر مبارک سے آپ ﷺ کا دست مبارک باہر آیا تھا جس سے پوری مسجد نبوی جگمگا اٹھی تھی، اور سید احمد کبیرؒ نے اس ہاتھ کو بوسہ دیا تھا، ان کا مزار بھی قاہرہ میں ہے جس پر بڑی عالی شان مسجد بنی ہوئی ہے، ہم نے وہاں نماز ظہر بھی ادا کی۔

رفاعی سلسلے کے ایک بزرگ کی کتاب ”تذکار الانفع“ کو مولانا عبدالعزیز صاحب بلساڑ سے تصحیح کروا کر شائع کروانے کی سعادت بندہ کو حاصل ہوئی ہے۔

علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ

اسی طرح علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ کے مزار پر حاضری ہوئی، جو بہت ساری کتابوں

کے مصنف ہیں۔

جمعہ کے دن ہمارے یہاں نواپور میں ”گڑی“ کی مسجد کے افتتاح کے لیے حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی دامت برکاتہم تشریف لائے ہوئے تھے تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! جب میں علامہ شعرانی کے مزار پر پہنچا تو بے اختیار آپ کی یاد بہت آئی۔

فرمانے لگے کہ: میری کتاب جس کا نام ”اقوال سلف“ ہے وہ علامہ شعرانی ہی کا تو فیض ہے؛ اسی لیے آپ کو میری یاد آئی ہوگی۔

جو میری قبر پر مصافحہ کرے اس کی بھی مغفرت

قاضی عبدالوہابؒ بغدادی کے مزار پر گئے، جن کے بارے میں میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ مصر کی تاریخ میں بڑے صاحبِ نسبت بزرگ تھے جو بغداد سے ہجرت کر کے مصر آئے تھے، ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ: کیا گزری؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت کر دی اور مجھے یوں فرمایا کہ: تیری بھی مغفرت اور تیری قبر پر آ کر جو مصافحہ کرے اس کی بھی مغفرت۔

یہ واقعہ میں نے پہلے پڑھ رکھا تھا؛ اس لیے وہاں پہنچ کر میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: پہلے آپ مصافحہ کا مسنون طریقہ سیکھ لو، اس کی سنت کیا ہے؟ پھر ہم قاضی عبدالوہابؒ کے مزار پر جا کر ایصالِ ثواب کریں گے اور پھر ہم سب آپس میں مصافحہ کریں گے، ہم نے ایسا ہی کیا، اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول فرمائے، آمین۔

دیگر ائمہ و اصحابِ امام مالکؒ کے مزارات پر حاضری

اسی کے پڑوس میں علی نور الدین الشوکانیؒ کا بھی مزار ہے۔
 اسی طرح ابن ہشام نخوی، امام لیث، امام شافعیؒ اور ہمارے احناف کے ایک
 بڑے امام ابو جعفر طحاویؒ کے مزار پر گئے۔
 وہاں ہمارے ساتھی مولانا ناصر صاحب (نوساری والے) کی ایک کرامت
 سامنے آئی کہ وہاں مزار کا دروازہ بند تھا، کافی دیر تک انتظار رہا کہ چابی آرہی ہے، چابی
 آرہی ہے، ہمارے یہ ساتھی آگے بڑھے اور انھوں نے دروازے کو دھکا مارا تو دروازہ
 کھل گیا۔ ازراہ مزاح میں نے ان سے کہا کہ: یہ تو آپ کی زندہ کرامت ہے۔
 ایک جگہ پر سب مالکی حضرات آرام فرماہیں وہاں بھی حاضری ہوئی۔

حضرت تکی اندلسی مالکیؒ

جب ہم پہنچے تو حیرت میں رہ گئے؛ چوں کہ میں اللہ کے فضل سے جامعہ ڈابھیل
 میں مؤطا امام مالک پڑھاتا ہوں، امام مالکؒ کے جلیل القدر شاگرد جن کا لکھا ہوا نسخہ
 رائج الوقت ہے؛ یعنی امام تکی اندلسیؒ، وہ بھی وہاں آرام فرماہیں، ایک کونے میں غبار
 آلود قبر ہے، میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ہیرا تو یہاں ہے۔

اسپین سے ہاتھی دیکھنے نہیں آیا، حدیث پڑھنے آیا ہوں

ساتھیوں کو میں نے بتایا کہ: یہ تکی اندلسی کو جانتے ہو؟
 اسپین سے سفر کر کے مدینہ علم حاصل کرنے کے لیے آئے، امام مالکؒ کی خدمت

میں تھے، ایک دن مدینہ منورہ میں ہاتھی آیا، امام مالکؒ کے سارے شاگرد ہاتھی دیکھنے چلے گئے؛ چوں کہ عرب میں ہاتھی نہیں ہوتا تو یہ ان کے لیے ایک نئی چیز تھی؛ مگر یہ بیکٹی درس میں بیٹھے رہے۔ استاد امام مالکؒ نے خود فرمایا کہ: بیکٹی! تمہارے سارے ساتھی ہاتھی دیکھنے گئے، تم کیوں نہیں گئے؟

فرمایا کہ: حضرت! اسپین سے مدینہ منورہ ہاتھی دیکھنے نہیں آیا ہوں، حدیث پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔

میں نے سوچا: ان کی اسی علم کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کا نقل کیا ہوا موطا کا نسخہ دنیا بھر میں عام فرمایا۔

دوسرے کئی ایک شاگردان امام اسہبؒ وغیرہ سب مالکی حضرات ہیں، ایسا لگتا ہے کہ سب نے آپس میں طے کر کے یہاں اپنی قبر بنوائی ہے، باہر بورڈ لگا ہوا تھا: ”اصحاب امام مالکؒ“۔

ذوالنون مصریؒ کے مزار پر

اس کے بعد حضرت ذوالنون مصریؒ کے مزار پر گئے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ذوالنون مصری کون ہیں، جانتے ہو؟

انھوں نے کہا: نہیں۔ میں نے کہا کہ: فضائلِ اعمال کی تعلیم دھیان سے سنا کرو، حضرت شیخ زکریا صاحب نے ان کے کتنے واقعات فضائلِ اعمال میں نقل کیے ہیں۔

اسی طرح حضرت رابعہ عدویہؒ اور حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کے مزارات پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

ابن عطاء اسکندرؒ کے مزار پر

حضرت ابن عطاء اسکندرؒ جو سلسلہ شاذلیہ کے اکابر میں سے ہیں وہیں آرام فرما ہیں، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کی حکمت کے کلمات اتنے عجیب ہوتے تھے کہ کہا جاتا ہے کہ نماز میں قرآن کے علاوہ کسی اور کے کلام کو پڑھنے کی اجازت ہوتی تو ابن عطاء اسکندرؒ کے کلماتِ حکمت سے نماز جائز ہوتی۔

ابن عطاء الاسکندرؒ کے حالاتِ زندگی: نام و نسب

آپ کا اسم گرامی: احمد، لقب: تاج الدین، کنیت: ابوالفضل، والد کا نام: محمد، دادا کا نام: عبدالکریم اور پردادا کا نام: عطاء اللہ ہے۔

آپ کی نسبت ”الجزافی“ اور ”الاسکندری“ ہے، آپ مشرباً ”شاذلی“ ہیں، آپ کے آباؤ اجداد ”اسکندریہ“ کے تھے؛ لیکن آپ قاہرہ میں اقامت گزریں ہوئے۔

مذہب اور علمی مقام

علامہ تاج الدینؒ فرماتے ہیں: میرا خیال ہے کہ ابن عطاء شافعی المسلک تھے اور بعض علما فرماتے ہیں کہ: مذہب مالکی کے پیروکار تھے۔ ان کو ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے علوم و معارف میں بہت بلند مقام حاصل تھا، فنِ تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول میں امامت کے درجے پر فائز تھے۔

مشائخ و تلامذہ

یوں تو آپ نے متعدد علما اور مشائخ سے کسب فیض کیا؛ لیکن اس سلسلے میں جن

مشائخ سے آپ بہت زیادہ قریب ہوئے وہ یہ ہیں: شیخ یاقوتؒ اور شیخ ابو العباسؒ المرسی الشاذلیؒ۔ اسی طرح آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ملک کے اطراف و اکناف کے طلبہ آتے اور آپ سے مستفیض ہوتے۔
آپ کے ممتاز شاگردوں میں علامہ تقی الدینؒ سبکیؒ بھی ہیں۔

کرامات

① علامہ کمال الدین ابن ہمامؒ ایک مرتبہ آپؒ کی قبر کی زیارت کے لیے گئے اور وہاں سورہ ہود کی تلاوت کی، آیت کریمہ ”فمنہم شقی وسعید“۔ ترجمہ: ان میں کوئی بد حال ہے اور کوئی خوش حال۔ پر پہنچے تو آپؒ کی قبر کے اندر سے آواز آئی:
یا کمال! ایس فینا شقی۔ اے کمال! ہم میں کوئی بھی بد حال نہیں ہے۔
یہ سن کر امام ہمامؒ نے وصیت فرمائی کہ: میری وفات کے بعد مجھے بھی اسی قبرستان میں دفن کرنا۔ لہذا ابن ہمامؒ کی وصیت پوری کی گئی اور حضرتؒ کے قریب ان کو دفن کیا گیا۔
② آپؒ کے ایک شاگرد کو حج کی سعادت نصیب ہوئی تو اس نے آپ کو طواف اور سعی کرتے ہوئے اور مقام ابراہیم کے پاس دیکھا۔

جب وہ حج کر کے اپنے وطن لوٹا تو لوگوں سے دریافت کیا کہ: میرے حج کے لیے روانہ ہونے کے بعد حضرتؒ شہر سے نکلے تھے؟ لوگوں نے نفی میں جواب دیا۔
پھر وہ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپؒ نے اس سے فرمایا: تم نے سفر حج میں کتنے لوگوں کو دیکھا؟
جواب دیا کہ: حضرت آپؒ کو دیکھا تھا۔ تو آپ مسکرا دیے۔

وفات

تاریخ وفات میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق ۷۰۹ء میں ہوا اور علامہ شعرانی کی ”طبقات کبریٰ“ کی روایت کے مطابق ۷۰۷ء میں وفات پائی۔

ابن الوفاء کے قریب مقام قرافہ میں مدفون ہوئے۔

سلسلہ شاذلیہ کی ایک شاخ الوفاہی ہے، اس سلسلے کے کئی مشائخ کے مزارات ابن عطاء الاسکندرئی کے مزار کے قریب ہیں اور اسی وجہ سے صاحب نور الایضاح اپنے آپ کو ”الوفاہی“ کہتے ہیں۔ ویسے تو قرافہ کا ہر ذرہ اپنے اندر اپنے زمانے کے آفتاب اور ماہتاب کو لیے ہوئے ہے۔

اسی مزار کے قریب جو مسجد ہے اس میں ہماری پوری جماعت کو نماز ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

احناف کے بیرسٹر ابن ہمام کے مزار پر

اسی طرح احناف کے بیرسٹر جنھوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے ابن عطاء اسکندرئی کے پہلو میں دفنایا جائے، جب ہم نے شیخ ابن عطاء کی مزار پر عشا کی نماز پڑھی تو ایک صاحب نے کہا کہ: امام ابن ہمام کے مزار پر جانا ہے؟

میں نے کہا: وہ تو ہمارے بیرسٹر ہیں، ان کے مزار پر ضرور جائیں گے۔

مسجد سے نکل کر آگے گئے، نیچے تہہ خانے میں اترے تو وہاں علامہ کمال الدین ابن ہمام آرام فرما رہے ہیں، میں نے ساتھیوں سے کہا: یہ شارح ہدایہ ہیں جنھوں نے فتح القدیر لکھی اور انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی عظیم الشان خدمت کی۔

پھر میں نے کہا کہ: میرے استاذِ محترم حضرت مولانا اسماعیل صاحب چاسوی دامت برکاتہم۔ جن سے میں نے ہدایہ کی دو جلدیں پڑھی۔ جب بھی ابن ہمام کا حوالہ دیتے تو فرماتے: یہ ہمارے احناف کے بیرسٹر ہیں۔
اسی جگی علامہ تقی الدین ابن دقین العید کا بھی مزار ہے۔

امام شاطبیؒ کے مزار پر

چوں کہ میں سب سے قاری بھی ہوں تو امام شاطبیؒ کے مزار پر بھی بڑے شوق سے حاضر ہوا، جو اصلاً تو اندلس کے تھے، جب میں اسپین گیا تھا تو وہاں میں نے علامہ شاطبیؒ کے مزار کی تلاش کی تھی؛ لیکن کہیں نہیں ملی، میں نے اسپین سے لندن اپنے ایک ساتھی کو فون کیا کہ: امام شاطبی کی قبر کہاں ہے؟
انہوں نے بتایا کہ: آپ کا وطن شاطبیہ گاؤں تو اسپین میں ہے؛ لیکن قبر ان کی مصر میں ہے۔

مجھے وہ بات یاد تھی، مسجدِ لیث بن سعد کے امام صاحب جو میرے ساتھ چل رہے تھے ان سے کہا: میں سب سے قاری ہوں؛ اس لیے مجھے امام شاطبیؒ کے مزار پر جانا ہے، وہ ہم کو ان کے مزار پر لے گئے۔

یہ مزار ایسی جگہ پر ہے جو بالکل الگ تھلگ ہے، ریلوے کا ٹریک پار کرتے ہوئے ہم وہاں گئے، بخدا! اگر کوئی گانڈ نہ ہو تو اس جگہ تک پہنچنا بھی بہت مشکل ہے، ایسی جگہ رات کو چلتے چلتے جب امام شاطبیؒ کے مزار پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے، اس میں ایک طرف امام شاطبیؒ کا مزار ہے۔

کتے سے بچنے کا مجرب وظیفہ

رات کا وقت تھا، مسجد بند تھی، کتے ہم کو دیکھ کر بھونکنے لگے، میں نے سورہ کہف کی آیت کا ورد شروع کیا جو مجرب وظیفہ ہے: وکلبہم باسط ذراعیہ بالوصید۔
جلالین کے حاشیہ میں ہے کہ جو اس آیت کا ورد کرے، یا اس کو لکھ کر اپنے پاس رکھے کتا اس کے قریب نہیں آتا۔

کتے کو بھونکتا ہوا دیکھ کر مسجد کے امام صاحب کی چھوٹی لڑکی باہر نکل آئی اور ہم سے پوچھنے لگی کہ تم کون ہو؟

میں نے کہا: ہم ہندوستان سے زیارت کے لیے آئے ہیں، وہ گئی اور چابی لے آئی، مسجد کھولی تو دیکھا کہ اس کے ایک کنارے پر امام شاطبیؒ آرام فرما رہے ہیں، ان کو ایصالِ ثواب کیا اور باہر نکلے۔

امام شاطبیؒ کے مزار پر میرے فنِ تجوید و قرأت کے مؤقر استاد امام الفن حضرت قاری احمد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی خوب یاد آئی، ایسا لگ رہا تھا کہ: حضرت الاستاذ کی معیت میں یہاں پر حاضر ہوں۔

امام شاطبیؒ کے مختصر حالات: تعارف

حافظِ حدیث و قراءات ابو محمد قاسم یا ابوالقاسم بن فیثروہ بن ابی القاسم خلف بن احمد الرعینی الشاطبی اندلسی الضریر شیخ القراء اندلس کے مشرقی قصبہ ”شاطبہ“ میں ۵۳۸ھ کے اواخر میں نابینا پیدا ہوئے، آپ نے کم عمری میں ہی اپنے وطن شاطبہ میں شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابوالعاص النفزی سے قراءتوں کی تعلیم حاصل کی۔

حصولِ علم اور تعلیمی اسفار

پھر فنِ قراءت میں گہرائی و گہرائی حاصل کرنے اور دیگر علوم و فنون سے آراستہ ہونے کے لیے شاطبہ سے ۵۶ کلومیٹر دور شہر ”بلنسیہ“ کی جانب رختِ سفر باندھا، وہاں پہنچ کر شیخ ابوالحسن علی بن ہدیل کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور علمِ قراءت میں مہارت پیدا کی، اور دیگر مشائخ سے فنِ تفسیر و حدیث کی متعدد کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد شیخ نے اپنی علمی تشنگی کو بجھانے کے لیے اندلس و حجاز مقدس کے دور دراز سفر کیے؛ چنانچہ وہاں کے مشائخ سے علمِ حدیث و فقہ کی تکمیل کی۔

تدریسی زندگی کے چند گوشے

تعلیمی سفر سے فارغ ہونے کے بعد بفضلہ تعالیٰ مسندِ تدریس کو رونق بخشی، چنانچہ سب سے پہلے اپنے وطنِ عزیز شاطبہ ہی میں تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، آپ کو کم عمری ہی میں جمعہ کا خطیب بھی بنادیا گیا تھا، جس کی وجہ سے آپ نے ایک مدت تک شاطبہ والوں کو خوب فیض یاب کیا۔

بعد ازاں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے براہِ اسکندریہ آپ نے حرمین شریفین کے سفر کا رادہ فرمایا، سفر کے دوران مقام اسکندریہ میں آپ کی حافظ ابوطاہر سلفی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ سے قاہرہ تشریف لا کر تدریسی خدمات انجام دینے کی درخواست کی، آپ نے اس درخواست کو قبول فرمالیا اور آٹھ سال تک جامع عمروا بن العاص میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔

ان ہی ایام میں بنی حمیر کی ایک خاتون سے نکاحِ مسنون فرمایا۔ اس کے بعد

قاضی عبدالرحیم بن علی کے اصرار پر قاہرہ کے مدرسہ فاضلیہ میں ”شیخ القراء“ مقرر ہوئے، اور تادم حیات قرآن کی نشر و اشاعت میں جد جہد کرتے رہے۔

ایک عظیم الشان تالیف ”شاطبیہ“

قیام قاہرہ ہی کے زمانے میں آپ کی گراں قدر تالیف ”قصیدہ لامیہ“ (حرز الامانی) المعروف بہ الشاطبیہ، وجود میں آئی جو کسی تعریف کی محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص کی برکت سے اس کو اتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ تقریباً تمام ہی مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے۔

امام قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ: جب امام شاطبیؒ اس قصیدہ کی تالیف سے فارغ ہوئے تو بیت اللہ کا سفر فرمایا اور کعبہ شریف کے بارہ ہزار طواف کیے اور ہر طواف کے بعد جب مقامات دعا پر پہنچتے تو عرض کرتے کہ: اے زمین و آسمان کے خالق! اس عظیم الشان گھر کے مالک! جو کوئی میرے اس قصیدے کو پڑھے تو اس کو اس کتاب سے نفع پہنچا۔ خود فرماتے ہیں کہ: جو اس قصیدے کو پڑھے گا ان شا اللہ! اللہ تعالیٰ اس کو نفع پہنچائے گا؛ کیوں کہ میں نے اس کو لوجہ اللہ نظم کیا ہے۔

اوصاف و کمالات

اللہ تعالیٰ نے آپ کو غضب کا حافظہ اور بے انتہا ذہانت عطا فرمائی تھی۔ آپ قراءتِ سبعہ، مؤطا امام مالک اور بخاری شریف و مسلم شریف کے حافظ تھے۔ لوگ آپ کے حافظہ سے صحیحین کے نسخوں کی تصحیح کرتے تھے، عالم اسلام میں آپ کا شہرہ جابجا پھیلا ہوا تھا، دور دراز سے سفر کر کے طلبہ آپ کے پاس تحصیلِ قراءت کے لیے

آتے تھے۔ آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کو شمار کرنا بظاہر مشکل ہے۔
قراءات، تفسیر، حدیث اور فقہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔ بڑے درجے کے
عابد، زاہد، صابر، خاشع اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔

آپ جب درس گاہ میں تشریف لاتے تو مسند پر جلوہ افروز ہو کر فرماتے:
من جاء اولاً فليقرأ۔

یعنی جو پہلے آیا ہے وہ پڑھے۔

مگر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ آپ مسند نشین ہوئے تو خلاف معمول فرمایا:
من جاء ثانياً فليقرأ۔

یعنی جو دوسرا آیا ہے وہ پڑھے۔

اس پر وہ طالب علم جو درس گاہ میں پہلے آیا تھا وہ سوچ میں پڑ گیا کہ: آج شیخ نے
خلاف معمول کیوں فرمایا؟ اور میری محرومی کا سبب کیا ہے؟

پھر اس کو یاد آیا کہ: آج مجھے غسل کی حاجت ہوئی تھی؛ لیکن بھول گیا تھا اور شدتِ
حرص کی وجہ سے جلدی حاضر ہو گیا تھا۔ چنانچہ فوراً قریب کے حمام خانے میں جا کر
غسل کر کے آگیا اور اپنی جگہ بیٹھ گیا، ابھی دوسرا طالب علم قرأت سے فارغ نہیں ہوا تھا؛
چوں کہ آپ نابینا تھے؛ اس لیے طالب علم کی اس حالت سے بے خبر رہے، پھر جب
دوسرا طالب علم قرأت سے فارغ ہوا تو شیخ نے فرمایا: من جاء اولاً فليقرأ۔

طالب علم کی یہ حالت مدوح کو محض کشف کے ذریعہ معلوم ہوئی۔

آپ مادرزاد نابینا تھے؛ مگر بوجہ زکاوت و فطانت کے آپ سے ایسی حرکات کا
ظہور نہ ہوتا تھا جو دوسرے نابیناؤں سے ہوا کرتی ہیں۔

وفات

شیخ موصوف ۵۲ سال کی عمر میں ۲۸ جمادی الثانی ۵۹۰ھ بروز یک شنبہ بعد العصر مصر میں اللہ کو پیارے ہو گئے، رحمہ اللہ علیہ رحمة واسعة۔ علامہ ابوالسحاق خطیب جامع مصر نے نماز جنازہ پڑھائی اور دو شنبہ کو قراۓہ صغریٰ کے مقبرہ قاضی فاضل میں مدفون ہوئے۔

جب ہم امام شافعیؒ کے مزار پر گئے تھے اور مغرب کی نماز پڑھی تھی تو وہاں کے امام مسجد سے میں نے پوچھا تھا کہ: یہاں اور کوئی قابل ذکر بزرگ کا مزار ہے؟
امام ورشؒ، وکیع ابن الجراحؒ، شیخ زکریا انصاریؒ کے مزار پر
انہوں نے بتایا تھا کہ: امام ورشؒ کی قبر یہاں ہے۔

قراۓ سابعہ میں امام ورش بڑے قاری ہیں، ان کے مزار پر بھی حاضری ہوئی۔ اسی طرح اسی جگہ پر امام وکیع بن الجراح کا مزار ہے، جن کا مشہور شعر ہم لوگ پڑھتے رہتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی	فأوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الہی	ونور اللہ لا یعطی لعاصی

یہ امام شافعیؒ کے استاذ ہیں، امام شافعیؒ نے اپنے استاذ وکیعؒ سے کہا کہ: میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے، باتیں یاد نہیں رہتی۔

انہوں نے فرمایا کہ: گناہ کرنا چھوڑ دو؛ اس لیے کہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور گناہوں کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

ان کی مزار پر حاضر ہوئے، ان کے مزار کے دروازہ پر یہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔
اسی طرح شیخ زکریا انصاریؒ جن کا ذکر ہماری سندوں میں آتا ہے۔

ابن حجر عسقلانیؒ کا مزار

امام ابن حجر عسقلانیؒ کے مزار پر بھی حاضری ہوئی، ان کی مسجد اور مکان قاہرہ شہر میں ہیں اور مزار قراۓہ میں ہے۔
ان سب جگہوں پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔

امام طاہر ابن غلبونؒ کے مزار پر

اسی جگہ ایک اہم مزار امام طاہر ابن غلبونؒ کا ہے، جو قراء میں سے ہیں، علامہ ابن الانباریؒ کا مزار بھی وہیں ہے۔

امام طاہر ابن غلبونؒ کی بیٹی کا عبرت ناک واقعہ

علامہ طاہر ابن غلبونؒ کے بارے میں ایک بہت اہم قصہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا، جو مصر کی تاریخ پر لکھی گئی ہے، ان کی بیٹی کا یہ واقعہ بڑا عبرت ناک ہے:
ان کی بیٹی نے زندگی بھر اپنے والد کے سوا کسی بھی مرد کو نہیں دیکھا تھا، جب بیٹی جوان ہوئی تو طاہر ابن غلبونؒ نے اس کا نکاح اپنے سگے بھتیجے سے کر دیا، رخصتی ہوئی اور وہ لڑکی جب اپنے شوہر کے پاس گئی جو کہ خود بھی بہت بڑے عالم تھے، تو اس سے پہلے دلہن نے دو لہے کو اور دو لہے نے دلہن کو کبھی نہیں دیکھا تھا، جب شوہر نے آکر مسنون دعا پڑھنے کا ارادہ کیا، تو اس لڑکی کو اتنی شرم آئی کہ مارے شرم کے اس کا پورا بدن پسینے سے شرابور ہو گیا؛ کیوں کہ زندگی میں اس نے والد کے سوا کسی مرد کا چہرہ کبھی دیکھا ہی

نہیں تھا اور اسی شرم و غیرت کے مارے تھوڑی دیر میں اس لڑکی کا انتقال ہو گیا، اس کی تدفین بھی اس کے والد طاہر ابن غلبونؓ کے بازو میں کی گئی۔

اسی کتاب میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ: اس لڑکی کی زندہ کرامت یہ چلی آرہی ہے کہ اگر کوئی آدمی اس خاتون کی قبر پر جائے اور بڑی ندامت کے ساتھ اس کی قبر پر ہاتھ رکھے تو سخت ٹھنڈی کے موسم میں بھی اس آدمی کو پسینہ آ جاتا ہے۔ ہمیں تو اسے آزمانے کی ہمت نہیں ہوئی۔

مصر کو آج پھر سے ایک یوسف کی ضرورت ہے

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان علاقوں کے چھ روزہ دورے کی سعادت نصیب فرمائی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: آج پھر سے ضرورت ہے مصر کو ایک ایسے یوسف کی جو یہاں کے لوگوں کو وہ پیغام دے جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اہل مصر کو دیا تھا، چنانچہ مفسرین نقل کرتے ہیں کہ: جس زمانے میں مصر میں قحط پڑا تھا اور مصر کے لوگ ایک وقت کا کھانا کھاتے تھے تو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جو ملک مصر کے بادشاہ تھے انھوں نے بھی ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیا تھا اور دن بھر میں صرف ایک وقت ہی کھانا کھاتے تھے۔ آج مخلوق کی ہمدردی کرنے والے اسی یوسف کا انتظار ہے۔

اسی طرح ایک جگہ کا نام ”عزیزیہ“ ہے، اس جگہ کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کی جیل رہی تھی اور عزیز مصر نے آپ کو وہاں بہ حیثیت قیدی کے رکھا تھا جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے۔

مصر کے اس سفر میں ہم نے اہل مصر کی بہت ساری خوبیاں بھی دیکھیں، ان میں

سے کچھ یہ ہے کہ:

وہاں قرآن کریم کی تلاوت کا عام معمول ہے، چھوٹی چھوٹی دکانوں سے بھی قرآن کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ تعویذات کے چکر بھی بہت ہیں۔

بہر حال! مصر میں ابھی حسن زلیخا کا بھی نظارہ ہے، بس کسی معاذ اللہ کی آواز لگانے والے کی ضرورت ہے جو کہے: قال معاذ اللہ!

بقول حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کے: اب جب کہ وہ ”دار الفاسقین“ کی بجائے ”دار المتقین“ اور ”دار الاشرار“ کی بجائے ”دار الاخيار“ بن گیا؛ یعنی بنص حدیث ”دار الخیر“ ہو گیا تو اہل مصر پر یہ ایک واجبی حق عائد ہوتا ہے کہ وہ اسے وطنیت یا نسلیت اور قومیت کے جذبے سے دوبارہ فرعونیت مصر نہ ہونے دیں؛ بلکہ یہ ضروری ہوگا کہ وہ آج کی مروجہ وطنیت اور قومیت کے جذبے سے متاثر ہوئے بغیر فرعونیت اور فرعونیت شعائر کو اونچا کرنے کی بجائے اپنی آخری نسبت یعقوبیت، یوسفیت، موسویت اور آخر میں محمدیت کے شعائر کو اونچا کرنے میں لگ جائیں؛ تاکہ دنیا ان کی خیر کو ڈھونڈنے اور اس ملک کے تقدس کی عظمت سے مستفید ہونے میں حق بجانب ثابت ہو جو خود اہل مصر کے لیے بھی دوگونہ خیر کا باعث ہوگا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین





شام اور فلسطین کی کارگزاری

شام اور فلسطین کے سفر کے رفقا

- ① مفتی محمود بارڈولی (استاذ تفسیر و حدیث: جامعہ ڈابھیل، گجرات)
- ② مولانا ناصر صاحب نوساری۔ (نورانی مکاتب کے روح رواں)
- ③ مولانا صادق صاحب مانیکیوری۔ (یکے از بانیاں نورانی مکاتب)
- ④ مولوی عمر صاحب، احمد آباد (فاضل جامعہ ڈابھیل)
- ⑤ مولوی اسامہ صاحب ابن غلام نبی قریشی (بلی موڑہ)
- ⑥ مولوی محمد علی ابن حاجی ناصر دادا (سورت)
- ⑦ حاجی عبدالصمد پالا والا (نواپور)۔
- ⑧ حاجی عبدالصمد گھونسلا (کروڈ)۔
- ⑨ حاجی خورشید صاحب مانجرا (دمن)۔
- ⑩ کامل بھائی (احمد آباد)۔
- ⑪ طلحہ بھائی (احمد آباد)۔
- ⑫ حاجی عارف صاحب آؤجی (نواپور)۔
- ⑬ حاجی شعیب ماندہ (نواپور)۔
- ⑭ عبد الحمید بھائی کچرا والا، عرف عبدل ماسٹر (سورت)
- ⑮ الیاس بھائی قلعہ دار۔
- ⑯ یوسف عبدالواحد بھائی (نوساری)
- ⑰ شیخانی یوسف عبدالواحد بھائی (نوساری)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِیْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاَتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ یُّضِلِّهِ فَلَا هَادِیَ لَهُ، وَنَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیْكَ لَهُ، وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَشَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَاَمَامَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْهِ وَ عَلٰی اٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ وَذُرِّیَّاتِهِ وَ اَهْلِ بَیْتِهِ وَ اَهْلِ طَاعَتِهِ، وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا كَثِیْرًا كَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
سُبْحٰنَ الَّذِیْ اُسْرٰی بِعَبْدِهِ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَا الَّذِیْ بُرَكْنَا حَوْلَهُ لِزَیْرِهِ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئے، جس کے اطراف میں ہم نے (ہر قسم کی) برکتیں رکھی ہیں (اس بندے محمد ﷺ کو وہاں لے جانے کا مقصد یہ تھا) تاکہ ہم ان کو ہماری (قدرت کی) کچھ نشانیاں دکھلائیں، یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ہر بات سننے والے، ہر چیز دیکھنے والے ہیں۔

محترم حضرات! تقریباً ایک سال کا عرصہ گزر گیا، آج ہم پھر سے سفر کی کارگزاری کی مجلس میں جمع ہوئے ہیں، گذشتہ سال انھیں تاریخوں میں بخارا، سمرقند، ترمذ، ازبکستان وغیرہ کے سفر کی کارگزاری سنائی تھی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس سال شعبان میں بہت مبارک سرزمین کا سفر نصیب

ہوا، جس سرزمین کو خود اللہ تعالیٰ نے برکت والی سرزمین قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ جس زمین کو برکت والی فرما دے اس کے برکت والی ہونے پر ہم مسلمانوں کا ایمان ہے، میری مراد اس سے ملکِ شام کی سرزمین ہے، بس! مل جل کر، رور و کر اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر سے اس سرزمین کو مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں دے کر اسے مسلمانوں کے سجدوں سے آباد کر دے اور ظالموں کے شر سے اس کی مکمل حفاظت فرمائے، آمین۔

ملکِ شام

قرآن وحدیث میں ملکِ شام کو بڑی بابرکت جگہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ملکِ شام درحقیقت بہت بڑا علاقہ تھا، جو پہلی عالمی جنگ بعد چار چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا:

① سورہ - موجودہ شام - جس کو آج کل ”سیریا“ کہتے ہیں۔

② اردن، جو آج کل ”جورڈن“ کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔

③ لبنان، جو ”بیروت“ کے نام سے مشہور ہے۔

④ فلسطین جس کو ”Palestine“ کہا جاتا ہے۔

احادیث اور تاریخی روایات میں جہاں ”شام“ کا ذکر آتا ہے وہاں یہ پورا علاقہ مراد ہوتا ہے۔

ملکِ شام کے فضائل

قرآن وحدیث میں اس پورے خطے کے بہت سارے فضائل وارد ہوئے ہیں:

دینی و دنیوی برکات

① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن کریم نے آں حضرت ﷺ کو شبِ معراج میں جہاں راتوں رات مکہ مکرمہ کی مسجدِ حرام سے بیت المقدس کی مسجدِ اقصیٰ لے جانے کا ذکر کیا تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ مسجدِ اقصیٰ کے ارد گرد کا علاقہ - جو شام ہے - برکتوں والا علاقہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی ذات ہر عیب سے پاک ہے جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے گئے، جس کے اطراف میں ہم نے (ہر قسم کی) برکتیں رکھی ہیں۔

اس آیت کے تحت مفسرین فرماتے ہیں کہ: سرزمینِ شام کی دینی برکتیں تو یہ ہیں کہ بیت المقدس - جو شام ہی میں ہے - انبیائے سابقین کا قبلہ ہے اور شام کا پورا علاقہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور یہیں وہ مدفون ہیں، اور دنیاوی برکات یہ ہیں کہ یہ علاقہ سرسبز و شاداب ہے، اس میں پانی کے چشمے، خوب صورت دریا، نہریں، کھیت اور باغات ہیں۔

اہلِ شام کی کفالت

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے ملکِ شام! تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو بھیجوں گا،

یقیناً اللہ تعالیٰ نے میرے خاطر شام اور اہل شام کی کفالت فرمائی ہے۔

شام کے لیے برکت کی دعا اور اس میں معجزہ

③ آں حضرت ﷺ نے یہ دعا بار بار فرمائی ہے:

اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمِينِنَا.

اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت عطا فرما، اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے یمن میں برکت عطا فرما۔

یہ دعا آپ ﷺ نے ملک شام کی فتح سے بہت پہلے فرمائی تھی؛ کیوں کہ شام کی فتوحات حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں شروع ہو کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مکمل ہوئی ہیں۔

اس دعا سے جہاں ملک شام اور یمن کا مبارک ہونا ثابت ہوا، وہیں ملک شام کو ”ہمارا شام“ فرمایا گیا؛ اس لیے کہ آپ ﷺ کو معجزانہ طور پر یقین تھا کہ ملک شام بھی مسلمانوں کے قبضہ و تسلط میں آئے گا اور اس پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگی۔

شام کے لیے خوش خبری

④ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

طُوبَى لِلشَّامِ. قُلْنَا لِأَيِّ ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَالَ: لِأَنَّ مَلَائِكَةَ الرَّحْمَنِ بَاسِطَةً أَجْنِحَتِهَا عَلَيْهَا.

شام کے لیے بڑی خوبی ہے۔ ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کس وجہ سے؟ فرمایا: اس لیے کہ رحمن کے فرشتے اس کے اوپر اپنے بازو پھیلائے ہوئے ہیں۔

فتنوں کے زمانے میں ایمان شام میں

⑤ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَلَا! إِنَّ الْإِيْمَانَ - حِيْنَ تَقَعُ الْفِتْنُ - بِالشَّامِ.

یاد رکھو! جب فتنے آئیں گے تو ایمان شام میں ہوگا۔

⑥ حضرت سلمہ بن نفیل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عُقْرُ دَارِ الْإِسْلَامِ بِالشَّامِ.

ترجمہ: دارالاسلام کا مرکز شام میں ہوگا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے سے صدیوں تک عالم اسلام کا دار الخلافہ دمشق رہا

ہے۔

بیت المقدس اسلامی مملکت کا جز

بیت المقدس ہمیشہ اسلامی مملکت کا ایک جز رہا ہے، چاہے وہ حضرت آدم علیہ السلام کا

زمانہ ہو یا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا زمانہ، حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان

علیہ السلام کا دور خلافت رہا ہو یا دوسرے انبیا کے سنہرے ادوار رہے ہوں۔

نیز متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خروج دجال کے زمانے میں مسلمانوں کی

چھاؤنی دمشق کے مضافاتی حصے ”غوطہ“ میں ہوگی۔

بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کا مسکن و محشر کی سرزمین

سرزمین بیت المقدس اور اس کے گرد و پیش کے علاقے کی جانب حضرت ابراہیم

خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام نے ہجرت فرمائی تھی، اسی بابرکت سرزمین پر بہت

سے نبیوں اور رسولوں کی ولادت باسعادت ہوئی، جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحب زادگان: حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے پوتے و پر پوتے: حضرت یعقوب علیہ السلام و حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔

ان سب فضائل و خصائص کے علاوہ بیت المقدس کی بابرکت سرزمین بعث و نشر کی سرزمین ہے، اسی پر محشر بپا ہوگا۔

اس لیے اس وقت بیت المقدس کے احاطے میں خاص کر قبۃ الصخر کے قریب کچھ علامتیں بنی ہوئی ہیں کہ اس جگہ حضرات انبیاء کی روحیں جمع ہوں گی، فلاں جگہ مؤمنین صالحین کی ارواح جمع ہوں گی اور ان جگہوں پر چھوٹے چھوٹے میناروں کی شکل میں نشانیاں بنی ہوئی ہیں، پوچھنے پر گائڈ نے ہمیں یہ سب چیزیں بتلائی۔ اور قدس سے کافی دور ایک جگہ بورڈ لگا ہوا تھا یہاں کفار کی ارواح جمع کی جائے گی، پتہ نہیں کس بنیاد پر یہ سب علامات متعین کی گئی ہیں، واللہ اعلم بالصواب!

دوسرے فضائل

اس سرزمین کے باشندے اسلامی سرحدوں کی پاسبانی اور جہاد فی سبیل اللہ میں سرگرم رہیں گے۔

اسی بابرکت سرزمین پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قرب قیامت میں نزول ہوگا۔ یہی وہ متبرک زمین ہے جس کی خاک میں بہت سارے پاکیزہ اجسام محفوظ ہیں، ان ہی جسموں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جسد اطہر ہے، ان ہی مبارک و مطہر اجساد میں حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام و دیگر جلیل القدر

انبیاء علیہم السلام کے جسد اطہر ہیں۔

اسی طرح نہ جانے کتنے صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین نے دورانِ جہاد فی سبیل اللہ ان خطوں کو اپنے پاکیزہ لہو سے سیراب کیا ہے۔

ملکِ شام سے دل چسپی کا سبب اور سفر کی خواہش

① قرآن مجید میں بہت سارے واقعات و قصے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی نصیحت و عبرت کے لیے بیان فرمائے ہیں ان میں سے بہت سارے اسی سرزمینِ شام سے تعلق رکھتے ہیں، وہ واقعات اسی سرزمین میں پیش آئے ہیں۔

② یہ علاقہ صحابہ کرام ﷺ کے زمانے سے لے کر صدیوں تک مسلمانوں کے کار ناموں کا مرکز رہا ہے۔ تفسیر کے اسباق کے دوران جب ان واقعات اور جگہوں کا ذکر آتا تھا تو دل میں خیال آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جلدی سے اس سرزمین پر پہنچا دے جہاں یہ واقعات پیش آئے ہیں۔

وہ دریا، وہ شہر، وہ ندی، وہ جنگل جن کا ذکر قرآن کر رہا ہے، قرآن میں تذکرے کی وجہ سے ان اراضیٰ قرآن کو دیکھنے کا شوق بار بار دل میں منڈلاتا تھا۔

③ ملکِ شام کے فلسطین والے علاقے میں بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ ہے اور بیت المقدس کے مسائل سے دل چسپی رکھنا مسلمانوں کے عقیدہ و ایمان کا حصہ ہے؛ کیوں کہ بیت المقدس اپنی تخلیق میں شام و فلسطین کا ایک حصہ ہے، یہ دونوں وہ پاکیزہ سرزمین ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لیے برکات و خیرات رکھی ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَنَجَّيْنَاهُ وَلَوْطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿٧١﴾ (الانبیاء)

ترجمہ: اور ہم ان (ابراہیم علیہ السلام) اور لوط (علیہ السلام) کو بچا کر اس زمین (مکہ شام) کی طرف لے گئے جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی۔

﴿٧٢﴾ مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کی زیارت کی غرض سے سفر کرنے کی ترغیب و اجازت رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دی ہے، امام بخاریؒ نے ”باب فضل الصلوة فی مکة والمدینة“ کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

قال رسول الله ﷺ: لَا تَشُدُّ الرَّحَالَ؛ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: المسجد الحرام ومسجد رسول الله أو المسجد الأقصى.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کے لیے رختِ سفر نہیں باندھا جائے گا:

- ① مکہ مکرمہ کی مسجد حرام۔
- ② مدینہ منورہ کی مسجد رسول ﷺ۔
- ③ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ۔

مسجد اقصیٰ کے چند فضائل قرآن و حدیث کی روشنی میں

① دنیا کی دوسری مسجد ہونے کا شرف اس کو حاصل ہے؛ اس لیے کہ ابوالبشر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کرنے کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی تھی۔

② قبلہ اول یہی ہے۔

③ حرمِ ثالث ہونے کا شرف بھی اسی کا مقدر ہے۔

④ اس میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے۔

⑤ بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ میں آنے والوں کے لیے گناہوں سے پاکی کی، خطرہ سے حفاظت کی، بیماری سے شفا کی، فقر سے غنی کی اور اللہ کی نظر عنایت کی بشارت آئی ہے۔

⑥ یہ بھی وارد ہے کہ کمالِ اعتکاف تو اسی مسجد کا۔

⑦ جن تین مساجد کے لیے سفر کی اجازت دی گئی اس میں اس مسجد کا شمار۔

⑧ وہاں کے نمازیوں کے لیے ستر ہزار فرشتوں کا استغفار کرنا۔

⑨ وہاں دعا کا قبول ہونا۔

⑩ معراج کے وقت آپ ﷺ کا وہاں تشریف لے جانا اور سارے انبیاء کا وہاں جمع ہونا۔

شنیدہ کے بُو دمانند دیدہ

قرآن کریم اور احادیث میں تو اس علاقے کے بہت فضائل آئے ہیں، اب خود دیکھ کر جو لطف آتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے، اور قرآن وحدیث کی باتوں پر یقین میں مزید تازگی کا ذریعہ بنتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ملکِ شام کی ہر چیز میں برکات آج بھی نمایاں ہیں، وہاں کی فضاؤں میں انبیائے کرام اور صحابہ کرام ﷺ کی برکتیں اور مہک آج بھی موجود ہے۔

بہر حال! اوپر ذکر کردہ وجوہات اور فضائل کے پیش نظر عرصے سے اس مبارک

سرزمین کی زیارت کے لیے کوشش جاری تھی؛ لیکن:

قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿٢﴾ (الطلاق)

ترجمہ: ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

ہمارا ملک شام کا سفر

مقدور میں تھا کہ شعبان ۱۴۳۵ھ میں وہاں کا سفر ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عافیت کے ساتھ اس مبارک سرزمین کا بھی سفر کروادیا، اللہ تعالیٰ اس سفر کو خیر اور ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو بار بار وہاں لے جائے۔

ہمارا یہ سفر سولہ (۱۶) ساتھیوں، پانچ دن اور بہت ساری زیارتوں پر مشتمل ہے۔ میری کوشش یہ ہوگی کہ دن اور تاریخ کی تعیین کے ساتھ بالترتیب آپ کے سامنے سفر کی کارگزاری مختصرًا پیش کروں۔

”پناما“ اور ”ملاوی“ میں تفصیلی کارگزاری

مختصر اس لیے کہ فلسطین، اسرائیل، اردن اور پھر وہاں سے ترکی ہوتے ہوئے شعبان کے اواخر میں سینٹرل امریکہ کے ملک ”پناما“ پہنچا تو وہاں احباب نے اصرار کیا کہ سفر کی کارگزاری بیان کروں، تو نو (۹) دن میرا وہاں قیام رہا اور روزانہ سوا سے ڈیڑھ گھنٹہ میں نے کارگزاری سنائی، اسی طرح جمعہ میں بھی بیان کیا؛ لیکن پھر بھی کارگزاری مکمل نہ ہو سکی تھی، پھر رمضان کے آخری عشرے میں افریقہ کے ملک ”ملاوی“ میں سفر کی باقی ماندہ باتیں تین مجلس میں مکمل ہوئیں۔

یہ سب تفصیلی بیانات نورانی مکاتب کی ویب سائٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔

سفر کی کارگزاری شروع کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جیسے اسفار کے لیے کچھ رہنما اصول آپ کے سامنے ذکر کر دوں۔

متبرک مقامات کی زیارت کے لیے رہنما اصول

- ① سفر کے ساتھی مانوس اور معتدل المزاج ہونے چاہیے۔
 - ② آپسی مشورہ سے کسی ایک ساتھی کو۔ جو ذی علم اور تجربہ کار ہو۔ اپنا امیر منتخب کر دینا چاہیے۔
 - ③ اگر منزل پر پہنچنے کے بعد ہمارا سفر کسی کی ماتحتی میں ہونے والا ہو تو اس کو اپنے اور ساتھیوں کے مزاج سے آگاہ کر دینا چاہیے۔
 - ④ امیر کو چاہیے کہ وہ ساتھیوں سے گزارش کر دے کہ اپنے روزمرہ کے مقامی مشغلوں (کھانے، پینے، سونے وغیرہ) امور میں کم سے کم اپنا وقت خرچ کریں؛ تاکہ مقصودِ اصلی میں زیادہ سے زیادہ وقت لگایا جاسکے۔
 - ⑤ بیرون کے اسفار میں کوشش یہی کرنی چاہیے کہ آپسی گفتگو مادری زبان ہی میں ہو، اس کے بڑے فوائد ہیں۔
- نوٹ:** سفر کے آداب تفصیل کے ساتھ بندے کے سفر نامہ ”دیکھی ہوئی دنیا: اول“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ایک اہم کام

میں نے سفر سے پہلے یہاں سے ای میل (e-mail) کے ذریعے سیاحتی کمپنی والوں کو خاص تاکید کر دی تھی کہ ہم سب ماشاء اللہ! تندرست لوگ ہیں اور ہم زیادہ سے

زیادہ تاریخی اور متبرک مقامات کی زیارت کریں گے: اس لیے ہمیں گاڑی اور رہبر دونوں اچھے ملنے چاہیے، ہم لوگ ادھر ادھر کی تفریحات میں اور مارکیٹوں میں وقت ضائع نہیں کریں گے۔

ترتیب وار سفر کی کارگزاری

اب میں آپ کے سامنے سفر کی کارگزاری سنانا شروع کرتا ہوں: ہمارا سفر ۱۲ جون، ۲۰۱۴ء جمعرات کی شب سے شروع ہوا، بمبئی تک تو ہر ساتھی اپنی اپنی سہولت سے پہنچا، تقریباً صبح چار بجے بمبئی سے ہماری فلائٹ تھی، صبح سویرے وہاں کے چھ (۶) بجے اردن ایئر پورٹ پر اترے۔

اللہ تعالیٰ آخرت کا انگریشن بھی آسانی سے پار فرما دے!

بھرا اللہ! امیگریشن (Immigration) کی کارروائی آسان رہی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے آخرت کا امیگریشن بھی اس طرح بلا کسی حساب اور بلا کسی خوف کے پار فرمادیں، یہ تو عارضی کسٹم اور امتحانات ہیں، اصل امتحان ہر بندے کا آخرت کا امتحان ہے جو اس میں کامیاب ہو اور حقیقی کامیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ سفر آخرت میں بھی آسانی کا معاملہ فرمائیں گے۔

آج کے دن ہمارا پروگرام کیا رہے گا؟

وہاں جس کمپنی سے رابطہ تھا اس کے نمائندے استقبال کے لیے موجود تھے، ان سے ملتے ہی میں نے پہلا سوال کیا: مَا هُوَ بَرْنَا جُنَّا الْيَوْمَ؟
یعنی آج کے دن ہمارا پروگرام کیا رہے گا؟

وہ رہبر (Guide) مجھے کہنے لگے کہ:

بَرْنَا جُحُكُمُ الْيَوْمَ أَوْلَا زِيَارَةً غَارِ أَصْحَابِ الْكَهْفِ.

آج کے دن کی پہلی زیارت اصحابِ کہف کے غار کی ہے۔

میں نے اپنے معمول کے مطابق تمام ساتھیوں کو بتلادیا کہ: کھانے پینے آرام وغیرہ کاموں میں زیادہ وقت نہ لگائیں۔

الحمد للہ! ہوائی اڈے پر پانی سے استنجا ہو سکے ویسے بیت الخلا تھے جس کو غنیمت سمجھ کر یہ بھی کہہ دیا کہ: طبعی حاجت سے بھی یہیں فراغت حاصل کر لیں۔ تمام ساتھیوں نے میری اس بات کا لحاظ کیا اور ضروریات سے فراغت کے بعد ایئر پورٹ سے ہی اپنے مقصد کی طرف آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

پہلی زیارت: اصحابِ کہف کے غار کی طرف

کمپنی کی ترتیب کے مطابق ہمیں سب سے پہلے اصحابِ کہف کے مزار پر جانا تھا؛ چناں چہ ایئر پورٹ سے باہر نکل کر سب سے پہلے ہم اصحابِ کہف کے غار کی زیارت کے لیے پہنچے۔

اصحابِ کہف کون تھے؟ ان کا کیا واقعہ ہوا تھا؟ یہ غار کہاں واقع ہے؟ پہلے اس کا پس منظر ذکر کیا جاتا ہے۔

اصحابِ کہف اور ان کی غار کا پس منظر اور ان کا زمانہ

”اصحابِ کہف“ کا واقعہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، اور اسی واقعہ کی وجہ سے قرآنِ کریم کی ایک پوری سورت کا نام ”سورة الکہف“ ہے۔ ”کہف“

عربی زبان میں غار کو کہتے ہیں جو اندر سے وسیع ہو؛ چاہے اس کا دہانہ چھوٹا ہو۔ صاحبِ معارف القرآن نے نقل کیا ہے کہ اصحابِ کہف کا یہ واقعہ دوسو پچاس (۲۵۰) عیسوی کا ہے، پھر تین سو (۳۰۰) سال تک یہ حضرات سوتے رہے تو مجموعہ پانچ سو پچاس (۵۵۰) عیسوی ہو گیا، اور حضرت نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت پانچ سو ستر (۵۷۰) عیسوی میں ہوئی؛ اس لیے حضرت نبی کریم ﷺ کی ولادت سے بیس (۲۰) سال پہلے ان نوجوانوں کے بیدار ہونے کا واقعہ پیش آیا، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین رائج تھا اور جو لوگ اس دین پر صحیح طرح قائم تھے وہی مسلم اور مؤمن تھے، یہ نوجوان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر قائم تھے؛ لیکن ان کی بستی کا بادشاہ ”دقیانوس“ اور اس کی قوم بت پرست تھی، جبکہ یہ نوجوان بت پرستی اور شرک سے بیزار تھے، انھوں نے علی الاعلان اپنی توحید کا اعلان کیا، قرآن مجید میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا گیا:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ
هُدًى ۝ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
لَنْ نَدْعُوَ مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ۝ (الکھف)

ترجمہ: ہم تم کو ان (غار میں سونے والوں) کا واقعہ صحیح (تحقیقی) سناتے ہیں، یقینی بات ہے کہ وہ (غار میں سونے والے) چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور ہم نے ان کو ہدایت میں خوب ترقی دی تھی ﴿۱۳﴾ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا (یہ اس وقت ہوا) جس وقت وہ کھڑے ہوئے تو کہنے لگے: ہمارے رب تو آسمان و زمین کے رب ہیں، ہم تو ہرگز اس (اللہ تعالیٰ) کو چھوڑ کر کسی اور معبود کی عبادت

نہیں کریں گے، اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم عقل سے دور کی (لغو) بات کہیں گے۔
 نو جوانوں کا یہ اعلان کرنا تھا کہ بت پرست بادشاہ اور اس کے کارندے ان کے
 دشمن بن گئے اور ان پر ظلم و ستم توڑنے شروع کر دیے؛ لہذا یہ لوگ بستی سے روانہ ہو کر
 ایک غار میں مقیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر گہری نیند مسلط فرمادی اور یہ سالوں تک
 سوتے رہے، کئی سال گزرنے کے بعد بت پرست بادشاہ کی حکومت ختم ہو گئی، اور اس
 کی جگہ ایک موحد اور صحیح العقیدہ نیک بادشاہ برسرِ اقتدار آ گیا، اس کے زمانے میں یہ
 لوگ نیند سے بیدار ہوئے۔ بھوک لگی ہوئی تھی انھوں نے اپنے میں سے ایک ساتھی کو
 سٹے دے کر شہر بھیجا، اور یہ تاکید کی کہ خفیہ طریقے پر جا کر کوئی حلال کھانا خرید کر لائے،
 سونے والا کیا جانے کہ کتنا وقت گزر گیا ہے وہ تو یہی سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک اسی بت
 پرست بادشاہ کا زمانہ ہے؛ اس لیے انھوں نے خطرہ محسوس کیا کہ اگر ان ظالموں کو ہمارا
 پتہ لگ گیا تو پھر سے ظلم و ستم میں کوئی کسر اٹھانہ رکھیں گے۔

چنانچہ یہ صاحب چھپتے چھپاتے بستی میں پہنچے، اور ایک نان بائی کی دکان سے
 کھانا خریدنا چاہا؛ لیکن جب سکھ اس کے حوالے کیا تو وہ بہت پرانے زمانے کا تھا، جس
 سے سارا راز کھل گیا، اور ہوتے ہوتے بادشاہ وقت کو بھی اطلاع پہنچ گئی۔
 ادھر اس ساتھی نے بھی اپنے ساتھیوں کو حکومت بدل جانے اور نئے حالات کی
 اطلاع دے دی۔

ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہوا ہے؛ لیکن قرآن کریم نے جس انداز
 میں ان کا تذکرہ کیا ہے، اس سے گمان ہوتا ہے کہ ان کی تعداد سات تھی، اور آٹھواں ان
 کا کتا تھا جو ان کے پیچھے پیچھے آ کر غار کے دہانے پر بیٹھ گیا تھا۔

حضراتِ مفسرین نے لکھا ہے کہ: جس زمانے میں یہ واقعہ پیش آیا اس وقت یہ غار شہر سے باہر جنگلوں کے اندر واقع تھا اور آج کی بات میں آپ سے عرض کروں کہ: ”عمان“ شہر اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ کسی زمانے میں وہ غار شہر کے باہر ہوگا اب تو شہر کے بالکل بیچ میں آچکا ہے۔

عقیدہ کی بات

دنیا کو وجود میں آئے برسوں بیت چکے ہیں، اسی وجہ سے جن تاریخی مقامات کی تعیین خود حضرت نبی کریم ﷺ نے کر دی ہے اور وہ روایات ہم تک صحیح سند کے ساتھ پہنچ چکی ہیں، اس کے علاوہ کسی بھی تاریخی مقام کے بارے میں سو فی صد یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی مقام ہے جس کا تذکرہ قرآن و احادیث نے کیا ہے؛ گویا قرآن و حدیث میں ذکر کردہ غیر متعین مقامات کے بارے میں ہمیں اجمالی طور پر اتنا تو ماننا ہے کہ ان مقامات کا دنیا میں وجود ہے؛ مگر کہاں ہے؟ اس کا صحیح علم عالم الغیب والشہادۃ ذات کے سوا کسی کو نہیں۔

کیا یہی اصحابِ کہف کا غار ہے؟

اصحابِ کہف کی جس غار کو ہم نے دیکھا اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ: اس کے بارے میں سو فی صد یقین سے کہنا تو مشکل ہے کہ یہی وہ غار ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ کہف میں آیا ہے؛ مگر اس کے متعلق وارد روایات کا مجموعہ اور اصحابِ کہف کے غار کے سلسلے میں جدید ترین تحقیقات اور مقامی علما اور عوام میں شہرت اور اس غار کے محل وقوع کو دیکھ کر غالب گمان؛ بلکہ کسی درجے میں یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی غار ہے

جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ کہف میں آیا ہے، قرآن مجید میں غار کی کیفیت ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَن يَّهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْهُتَدَىٰ وَمَن يُضِلِّ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾

ترجمہ: اور تو سورج کو دیکھے گا کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو بائیں طرف (سے ہٹ کر) کتر کر چلا جاتا ہے اور وہ لوگ اس (غار) کے کشادہ حصے میں سوئے ہوئے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیوے وہی ہدایت پا جاتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں تو تم کو کوئی اس کی مدد کر کے راستہ بتانے والا نہیں ملے گا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ہم میں علما اور حفاظ بھی ہیں، ایک آدمی سورہ کہف کی آیتیں پڑھتا جائے اور میں اصحاب کہف کا پورا واقعہ سناؤں گا اور بتاؤں گا کہ:

﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ﴾ کیسے ہوتا

ہے؟

﴿وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ کیسے ہوتا ہے؟

﴿وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ کیا ہے؟ کہاں ہے؟

ایک تفسیر وحدیث کے ماہر شامی عالم کی غار میں ملاقات

خوش نصیبی کی بات کہ جو رڈن کے ایک جید عالم دین کی غار میں ملاقات ہوگئی،

ماشاء اللہ! تفسیر و حدیث کے بڑے ماہر عالم تھے۔

میں نے ان سے عربی زبان میں مذاکرہ شروع کیا؛ چنانچہ انھوں نے بڑی اچھی رہبری فرمائی اور بعض اہم نکات پر روشنی ڈالی۔

ان ساری چیزوں کو علی وجہ الاکمل تو مشاہدہ کی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے، آپ یقین مانے کہ قرآن مجید کی یہ آیات بیس سال سے میں پڑھاتا ہوں اور اس سے پہلے الحمد للہ! پڑھ چکا ہوں؛ لیکن ان آیتوں کی صحیح تفسیر تو اسی جگہ پہنچ کر سمجھ میں آئی کہ:

﴿فَجَوْهٌ مِّنْهُ﴾ کیا چیز ہے؟ اور سورج کیسے کتر اکر نکلتا ہوگا؟

غار کی حالت

اللہ تعالیٰ کی شان کہ سات نوجوان جس غار میں تین سو نو (۳۰۹) سال سوئے تھے:

﴿وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا﴾

ترجمہ: وہ (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو اور اس کے اوپر نو (۹) سال زیادہ (سوئے) رہے۔

وہ غار ابھی تک اسی طرح موجود ہے اور ان نوجوانوں کے غار میں مزارات بھی بنے ہوئے ہیں، اور قبروں کے درمیان اور اس کے پڑوس میں ﴿وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ ایک کھلی جگہ ہے۔

غار میں داخل ہونے کا ایک دروازہ موجود ہے؛ مگر اتنا چھوٹا کہ ایک ایک آدمی باری باری اندر جاسکے۔ اور اندر چلے جاؤ تو غار بڑا وسیع اور کشادہ ہے اور ساتوں نوجوانوں کی اندر قبریں بنی ہوئی ہیں۔

اصحابِ کہف کے تبرکات

غار میں جو کھلی جگہ ہے وہاں پر ایک الماری ہے، جس میں کچھ پرانی چیزیں (پیالہ، کھانے کے برتن وغیرہ) رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے اس کے متعلق جو رڈن کے عالم دین سے پوچھا تو بتلایا کہ: یہ جتنی بھی چیزیں رکھی ہوئی ہیں ہم لوگوں کے یہاں مشہور ہے کہ سب ان سات نوجوانوں کے تبرکات ہیں۔

غار کا پیچھے کا دروازہ

میں نے ان سے مزید ایک سوال کیا کہ: قرآن مجید کے انداز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس غار کا ایک تو دروازہ تھا اور دوسری کھڑکی، تو وہ کھڑکی کہاں ہے؟ انھوں نے غار کے پیچھے والے حصے کی طرف اشارہ کر کے بتلایا کہ: وہ جو چھوٹا سا سوراخ ہے وہی اس غار کی چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ پورے پہاڑ میں غار، اور غار میں بالکل اوپر نکلتا ہوا ایک چھوٹا سا سوراخ ہے اور اسی دوسری طرف والے سوراخ سے دھوپ کے داخل ہونے اور روشنی پہنچانے کا نظام یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کتنی بڑی نشانی ہے!!!

ایمان کی خاطر قربانی دینے کا بدلہ:

نظام کائنات ان کے تابع کر دیا گیا

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزْوُرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا

غَرَبَتْ تَقَرُّضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ مَن يَّهْدِ اللَّهُ فَبُهِتَ ۖ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَن يُضِلِّ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٧﴾

ترجمہ: اور تو سورج کو دیکھے گا کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کی غار سے دائیں طرف ہٹ کر نکل جاتا ہے اور جب ڈوبتا ہے تو بائیں طرف (سے ہٹ کر) کتر کر چلا جاتا ہے اور وہ لوگ اس (غار) کے کشادہ حصے میں سوئے ہوئے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیوں وہی ہدایت پا جاتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کریں تو تم کو کوئی اس کی مدد کر کے راستہ بتانے والا نہیں ملے گا۔

جو رڈن کے عالم دین نے بتلایا کہ:

یہ وہ دروازہ ہے کہ اس کے قریب سے سورج کتر کر نکلتا ہے اور غروب کے وقت کی دھوپ کی چند کرنیں پیچھے جو سراخ ہے وہاں سے غار میں داخل ہوتی ہیں؛ گویا صبح و شام دھوپ سیدھی نوجوانوں کے قریب آتی ہیں؛ البتہ قریب سے گزرنے کی وجہ سے دھوپ کے منافع ان نوجوانوں کو حاصل ہو جاتے ہیں؛ لیکن دھوپ کی روشنی اور حدت کی وجہ سے ان کی نیند میں خلل نہیں ہوتا، دھوپ میں بڑے فوائد ہیں، جن ملکوں میں لوگوں کو دھوپ نہیں ملتی وہاں بڑے امراض ہوتے ہیں۔

کتے کے غار میں نہ جانے کا ایک عجیب تفسیری نکتہ

پھر انھوں نے مزید ایک بات ذکر کی کہ: قرآن میں ہے:

وَتَحْسَبُهُمْ آيِقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ
وَكُلُّهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

وَلَمَلِئْتُ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

ترجمہ: اور تو ان کو (دیکھ کر) یہ سمجھے گا کہ وہ جاگتے ہیں؛ حالاں کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدل دیتے ہیں اور ان کا کُتّا چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ (یعنی آگے والے پیر) پھیلائے ہوئے بیٹھا تھا، اگر تو ان (اصحابِ کُہف) کو جھانک لیتا تو پیٹھ پھر کر بھاگ لیتا اور تجھ میں ان کی دہشت بھر جاتی۔

وہاں دروازے پر ایک چوکھٹ ہے، چوکھٹ کے پاس ایک بڑا پتھر ہے، اسی پتھر کے اوپر وہ کتا تین سو نو سال تک ان کی خدمت میں بیٹھا رہا۔

پھر انھوں نے مجھ سے ایک سوال کیا کہ: شیخ! کبھی آپ نے سوچا کہ یہ کتا غار میں کیوں نہیں گیا؟ غار کے باہر ہی کیوں بیٹھا رہا؟

میں نے کہا: بات تو صحیح ہے، میں نے کبھی نہیں سوچا۔

کہا: اس واسطے کہ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ ”جس گھر میں کتا ہوتا ہے اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آیا کرتے“ اور یہ سات نوجوان اللہ تعالیٰ کے ولی تھے اور ان پر خدا کی رحمتیں برس رہی تھیں؛ اس لیے کہ یہ نوجوان جب غار میں آئے تو اس وقت دعا کر کے آئے تھے:

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿١٩﴾

ترجمہ: (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب چند نوجوانوں نے (پہاڑ کی) غار میں پناہ لی تو انھوں نے (اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے یوں) کہا کہ: اے ہمارے رب! آپ ہم کو اپنے پاس سے (خاص) رحمت عطا کیجیے اور (ان حالات میں) ہمارے لیے بھلائی

کا سامان مہیا کر دیجیے۔

انہوں نے خدا سے رحمت کی دعائیں مانگی تھیں اور جس گھر میں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت نہیں اترتی؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتے کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ غار کے اندر نہ جائے، باہر بیٹھا رہے اور باہر بیٹھ کر خدمت کرے۔

اصحابِ کھف کی یادگار مسجد

جب تین سو نو سال کے بعد یہ نوجوان بیدار کیے گئے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ: ہم کتنی دیر سوئے؟ گویا ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ اتنی لمبی مدت تک سوئے۔ بعد میں ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے کہا کہ: ان کی کوئی یادگار قائم کرنی چاہیے؛ لیکن اس میں اختلاف ہوا کہ یادگار کے طور پر کیا چیز بنائی جائے، بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد بنائی جائے؛ چنانچہ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی گئی۔

اس مسجد کی حالت اور بندے کی ایک خوش نصیبی

اس مسجد کے کھنڈرات آج بھی غار کے اوپر موجود ہیں، وہ پرانے زمانے کی مسجد ہے؛ اسی لیے اس کی چھت وغیرہ ٹوٹ گئی ہے، پتھر کی بنی ہوئی تقریباً چھ چھٹ اوپنچی اس کی دیواریں موجود ہیں، اس کے آٹھ ستون اور محراب والا حصہ بھی موجود ہے۔ اس مسجد کی پرانی دیواروں کے ارد گرد تمام ساتھی بیٹھ گئے اور دو قاری تلاوت کرتے گئے اور پورے واقعہ کی تفسیر سنانے کی بندہ کو سعادت حاصل ہوئی۔

اصحابِ کھف کے مقام پر نئی مسجد

اس وقت حکومتِ جوڑڈن نے غار کے اوپر ایک نئی عالی شان مسجد بنائی ہے اور

اس مسجد کا نام ہے ”مسجد اصحاب کھف“ یعنی غار والے نوجوانوں کی مسجد، یہ ایک دوسری نئی مسجد ہے، قرآن مجید میں جس مسجد کا ذکر ہے یہ بالکل ان کے غار کے فوراً اوپر آتی ہے۔

دین کے خاطر اپنے جذبات کو قربان کرنے والے نوجوانوں کی اللہ

کے یہاں قدر و منزلت

اس موقع پر اپنے نوجوان دوستوں سے ایک نکتہ ضرور کہوں گا کہ: تین سونو سال یہ نوجوان اس طرح سے سوئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَنُقَلِّبُھُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ

ترجمہ: اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدل دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جب نوجوان اللہ تعالیٰ کے دین کی فکر لے کر اٹھیں، اپنی زندگی کو دین داری والی بنائیں، اور برے ماحول سے اپنے آپ کو بچانے کا عزم کر لیں تو اللہ تعالیٰ خود ان کی کروٹوں کو دائیں اور بائیں پلٹا کرتے ہیں۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے مزار پر

اس کے بعد ہم نے دوپہر کا کھانا کھایا اور آگے چلے، کئی کلومیٹر کا سفر کر کے عمان شہر سے باہر ایک دوسرا چھوٹا شہر آیا اس سے بھی آگے نکلے اور ایک اور پہاڑی علاقے کی طرف ہماری گاڑی چڑھنا شروع ہوگئی اور ایک اونچے پہاڑ پر ہم لوگ پہنچے، وہاں جانے کے بعد پتا چلا کہ اس جگہ پر اللہ کے نبی حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کا مزار ہے۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا مختصر تعارف

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام ان جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے خاطر مبعوث کیا تھا، نسلِ ابنِ اسرائیل کی اولاد میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پرپوتے ہوتے ہیں، مؤرخین نے ان کا نسب نامہ اس طرح لکھا ہے: یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب بن ابراہیم خلیل اللہ۔

زمانہ بعثت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان کے خادمِ خاص وہم دم رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کو نبوت عطا کی گئی۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا قرآن میں دو جگہ ذکر

تفسیری روایات کے مطابق قرآن مجید میں حضرت یوشع علیہ السلام کا ذکر دو جگہ موجود ہے: ① قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنَّ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ (البائد)

ترجمہ: (موسیٰ علیہ السلام کی تائید میں) دو آدمیوں نے (بھی) کہا: جو کہ (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والوں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر اپنا (خاص) احسان کیا تھا کہ تم ان پر (حملہ کر کے شہر کے) دروازے میں گھس جاؤ، سو جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو یقین رکھو کہ (اسی وقت) تم ہی غالب آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم واقعی مومن ہو۔

اس آیت میں ”رجلان“ سے حضرت یوشع علیہ السلام اور کالب بن یوحنا مراد ہیں جنہوں نے قوم عمالقه کے خلاف بنی اسرائیل کو ہمت دلائی اور نصرت کا وعدہ یاد دلا کر جہاد پر اکسایا تھا۔

② دوسرا موقع: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اپنے علم میں اضافے کے لیے سفر میں نکلے تو ایک نوجوان خادم ان کے ساتھ تھے، وہ نوجوان خادم حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام تھے، قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے نوجوان خادم (حضرت یوشع علیہ السلام) سے کہا: میں اس وقت تک اپنا سفر برابر جاری رکھوں گا جب تک کہ دو سمندر کے ملنے کی جگہ (سنگم) پر نہ پہنچ جاؤں یا برسوں تک چلتا ہی رہوں گا۔

یوشع علیہ السلام کے لیے سورج کا غروب ہونے سے رُک جانا

حضرت یوشع علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایسے مقبول بندے تھے کہ جن کی درخواست پر سورج اور چاند کو بھی روک دیا گیا، جس کا واقعہ یہ ہوا کہ: حضرت یوشع علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو لے کر بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے اور ایک بستی کا محاصرہ کر لیا اور اس بستی کا محاصرہ جمعہ کے دن عصر تک طویل ہو گیا، آگے ہفتہ کا دن شروع ہونے والا تھا اور اس دن آپ کو کوئی کام کرنے کی اجازت نہ تھی؛ کیوں کہ ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کا چھٹی کا دن ہے، اس دن جہاد ان کے لیے ممنوع تھا، ادھر جنگ جاری تھی کہ

سورج غروب ہونے لگا، آپ ﷺ نے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ: سورج کو روک دے، پھر سورج سے مخاطب ہوئے:

إِنَّكَ فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَأَنَا فِي طَاعَةِ اللَّهِ.

ترجمہ: اے سورج! تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اس کی فرماں برداری میں مصروف ہوں۔

پھر آپ نے چاند کو مخاطب کر کے فرمایا: ابھی طلوع نہ ہونا۔

چناں چہ فتح ہونے تک سورج اور چاند رُکے رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ لِبَشَرٍ إِلَّا لِيُوشَعَ لِيَاكِي سَارَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ.

آفتاب آج تک کسی کے لیے رفتار میں موقوف نہیں ہوا؛ سوائے یوشع بن نون کے لیے، یہ ان راتوں کی بات جب وہ بیت المقدس کی جانب (بغرض جہاد) گئے تھے۔

حضرت یوشع ﷺ کی وفات

بیت المقدس کی فتح کے بعد جب بنی اسرائیل اس میں قیام پذیر ہوئے تو حضرت یوشع بن نون ﷺ نے وحی الہی کے مطابق ان کی اصلاح فرمائی اور ایک طویل عرصہ ان کے ساتھ گزارا، آخر کار ایک سو چھبیس (۱۲۶) سال کی ظاہری عمر میں آپ نے وصال فرمایا۔ (ابن کثیر)

حضرت یوشع ﷺ کے مزار کی تحقیق

پہاڑ کے ایک کنارے پر ایک مسجد بنی ہوئی تھی، حضرت یوشع ﷺ کا مزار اسی

مسجد کے ایک کمرے میں واقع ہے، ایک نہایت طویل قبر بنی ہوئی ہے، اس کی لمبائی بارہ سے پندرہ گز کے درمیان ہوگی، آپ ﷺ کے مزار کے باہر تختی پر آپ ﷺ کا حسب و نسب بھی لکھا ہوا ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اب اس بات کی سو فی صد تحقیق تو تقریباً ناممکن ہے کہ یہ واقعاً حضرت یوشع ﷺ کی قبر ہے یا نہیں؟ البتہ یہ تمام علاقہ اسی ارض مقدس کا حصہ ہے جسے حضرت یوشع ﷺ نے فتح فرمایا تھا؛ اس لیے یہ بات جو یہاں کے لوگوں میں مشہور چلی آتی ہے، کچھ بعید بھی نہیں۔

جناب یعقوب نظامی صاحب اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں: ”بعض روایات کے مطابق حضرت یوشع بن نون ﷺ کی قبر بیت المقدس کے قریب ایک غار میں واقع ہے۔ تورات کے مطابق ان کی قبر فلسطین کے موجودہ شہر ”نابلس“ کے کسی پہاڑی مقام پر ہے۔ اسرائیل میں دو جگہ حضرت یوشع ﷺ کا مزار بتایا جاتا ہے۔“

اتنا لمبا مزار کیوں؟

ساتھیوں نے مجھ سے سوال کیا کہ: اتنا بڑا ان کا مزار کیسے؟

اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اس مزار کی زیارت کے موقع سے دیا ہے، فرماتے ہیں: قبر کی غیر معمولی لمبائی ہمارے لیے حیران کن تھی؛ لیکن بعد میں اردن اور شام کے اندر جو دوسرے انبیاء کے مزار دیکھے، وہاں بھی یہی صورت نظر آئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں کسی مقدس شخصیت کے تعظیم کے خیال سے اس کی قبر بہت لمبی بنائی جاتی تھی۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ: پچھلے زمانے میں لوگوں کے بدن کی سائزیں بہت لمبی ہوا کرتی تھیں، حضرت آدم علیہ السلام کا قد جو روایتوں میں آیا ہے وہ باسٹھ (۶۲) ہاتھ کا قد آیا ہے، یہ تو اس امت کی خصوصیت ہے کہ: عمر بھی کم، قد بھی کم، یہ دونوں چیزیں اس امت کے واسطے ہیں۔

بھم اللہ! میری اس بات کی تائید حضرت مولانا ارسلان بن اختر مبین کی تحریر سے بھی ہو گئی، انھوں نے لکھا ہے کہ: مقامی لوگوں کے قول کے مطابق حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اپنی وفات کے وقت چار سے پانچ میٹر لمبے تھے۔ (از جہان دیدہ)

تیسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چند متعدد افراد کی قبریں لمبائی میں ایک ساتھ بنائی گئی ہوں، جیسا کہ ہمارے سورت ضلع میں کیم کوٹھوا میں موجود مشہور مزار کے بارے میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ کی رائے گرامی ہے۔

بہر حال! حضرت یوشع ابن نون علیہ السلام کی قبر کی زیارت کی، وہاں ان کے نام کی مسجد ہے، وہاں پر ہم لوگوں نے ظہر کی نماز ادا کی۔

پہاڑ پر سے زیتون کے درخت کا پر کیف منظر

یہاں ایک پر لطف بات یہ ہے کہ جس پہاڑ پر حضرت یوشع علیہ السلام کا مزار ہے، اس پہاڑ کے بالکل سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے اور اس میدان میں ہزاروں کی تعداد میں زیتون کے درخت ہیں۔

ہم کو بتا گیا کہ: صرف فلسطین میں پچاس لاکھ زیتون کے درخت ہیں۔ ”والتین والزیتون“ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی قسم کھائی ہے۔

اتنا پُر کیف منظر ہے کہ میں اپنی زبان سے بیان نہیں کر سکتا، ٹھنڈی کا موسم اور وہ بھی پہاڑ پر، ٹھنڈی ہوا میں سب ساتھی ٹھٹھر رہے تھے؛ مگر منظر اتنا پُر کیف تھا کہ نگاہیں اسی پر جم گئیں کہ بس اسی کو دیکھتے رہیں۔

سات عدد زیتون

ایک انگریز کی بات ہے کہ میں روزانہ سات عدد زیتون کے پھل کھاتا ہوں، اس سے میری صحت بہت عمدہ ہے۔ اس کو پوچھا گیا کہ: سات عدد کی تخصیص کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا: اس لیے کہ قرآن مجید میں سات مقامات پر زیتون کا تذکرہ آیا ہے۔

زیتون کے سات قرآنی مقامات

① وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونِ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ (الأنعام: ٩٩)

② وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ، وَالزَّيْتُونِ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ (الأنعام: ١٣١)

③ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونِ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (النحل: ١١)

④ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ (النور: ٢٥)

⑤ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالذَّهْنِ وَصِبْغٍ لِلَّالِئِلِينَ (البؤمون)

⑥ وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا (عبس) ⑦ وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ (التين)

مسجد اقصیٰ کے گنبد کا دل کش منظر

دوسری دل کش بات یہ تھی کہ جہاں وہ وادی ختم ہوتی ہے وہاں سامنے ”جبل القدس“ یعنی بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور اس کے بالکل سامنے سے مسجد اقصیٰ کا گنبد نظر آتا ہے۔

گائڈ نے کہا کہ: تھوڑے بادل ہٹنے دو، بادل ہٹیں گے تو مسجد اقصیٰ کا گنبد صاف نظر آئے گا۔ اس دن بادل بہت تھے۔

میں نے کہا: اسی کو دیکھنے کی بے چینی اور تڑپ ہے، بہت دیر تک ہم لوگ انتظار میں کھڑے رہے؛ مگر مقدر کہ بادل نہ ہٹے اور بادل ناخواستہ ہمیں یہ جگہ چھوڑنی پڑی اور وہاں سے گنبد بیت المقدس کا دیدار نہ کر سکے۔

جورڈن کا جائے وقوع

جورڈن کا جائے وقوع کچھ اس طرح ہے کہ: اس کی مغربی سمت میں فلسطین اور بیت المقدس واقع ہے، جو آج کل ہماری بد اعمالیوں کی نحوست سے یہودیوں کے قبضے میں ہے اور اسرائیل کہا جاتا ہے اور دریائے اردن کے مغربی کنارے کے پیچھے تمام تر پہاڑی علاقہ ہے، دوسری طرف مشرق میں بھی پہاڑی علاقے ہیں، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک علاقہ شمالاً اور جنوباً چلا گیا ہے جو دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر واقع ہے اور بڑا زرخیز علاقہ ہے اس علاقے کو اغوار (یعنی نشیبی علاقہ) کہا جاتا ہے۔

عمواس کا جائے وقوع

جورڈن کے اس نشیبی علاقے میں ایک جگہ کا نام ”عمواس“ ہے، عمواس کا کچھ علاقہ

جورڈن (Jordan) میں آتا ہے اور زیادہ تر حصہ فلسطین (موجودہ اسرائیل) میں آتا ہے؛ جیسا کہ پہلے بھی بتلایا گیا کہ خلافتِ راشدہ؛ بلکہ بہت بعد تک یہ پورا کا پورا علاقہ ایک شمار ہوتا تھا اور شام کہلاتا تھا، یہ تو ہماری بد اعمالیوں اور مسلم حکمرانوں کی بے وفائیوں کے باعث شام کا کافی علاقہ ہمارے ہاتھوں سے نکل گیا اور ابھی بھی نکلتا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھی راہ دکھلائیں اور ہمارے حکمرانوں کو اس کی بازیابی کی توفیق عطا فرمائیں۔

طاعونِ عمواس

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اس جگہ حضراتِ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت تھی اور طاعون (Plague) کی بیماری پھیلی اور اتنی خطرناک بیماری پھیلی کہ اس بیماری میں سینکڑوں صحابہ اور تابعین شہید ہو گئے۔ اس کو ”طاعونِ عمواس“ کہتے ہیں، یہ طاعون ۱۸ھ مطابق ۶۳۹ء میں پھیلا تھا۔

عمواس کے دونوں حصوں کی زیارت کا شرف

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیں عمواس کے جورڈن اور اسرائیل والے دونوں حصے کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، ابھی ہم جورڈن والے حصے کی زیارت کا تذکرہ کر رہے ہیں جو اسرائیل اور جورڈن کا سرحدی علاقہ ہے۔

پیارے صحابہ کے مزار کی طرف

دن ڈھل رہا تھا، اور حضرت یوشعؑ کے مزار سے عمواس والا علاقہ کچھ فاصلہ پر تھا؛ چنانچہ جلدی جلدی ہم پہاڑ سے اتر کر گاڑی میں بیٹھے اور انوار کی طرف روانہ

ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹے میں ہم اغوار پہنچے، اس جگہ دو مشہور صحابی کے مزار ہیں:

① آمِیْنُ ھِذِہِ الْأُمَّۃِ: حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ۔

② حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف و مناقب

حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ آں حضرت ﷺ کے ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جن کی ذات گرامی اُس دور کے تمام اعلیٰ فضائل و مناقب کا مجموعہ تھی:

آپ ﷺ سابقین اولین میں سے ہیں اور اُس وقت اسلام لے آئے تھے جب مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔

آپ ﷺ ان دس خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کو عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے، جن کو سرکارِ رسالت مآب ﷺ نے ایک مجلس میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔

آپ ﷺ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی ہے جنہیں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل ہوئی: پہلی بار آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی اور دوسری بار مدینہ منورہ کی طرف۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ آں حضرت ﷺ کے ساتھ غزوات میں نہ صرف شامل رہے بلکہ ہر موقع پر اپنی جاں بازی، عشقِ رسول ﷺ اور اطاعت و اتباع کے اُن مٹ نقش قائم فرمائیں۔

ایمان کی کفر پر جیت: بیٹے کے ہاتھ باپ کا قتل

غزوہ بدر کے موقع پر ان کے والد کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے

آئے تھے اور جنگ کے دوران اپنے بیٹے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف تلاش کرتے تھے؛ بلکہ اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح ان سے آمنہ سامنا ہو جائے، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنے والد کے کفر سے بیزار تھے؛ لیکن یہ پسند نہ کرتے تھے کہ ان پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے۔

اس لیے جب کبھی وہ سامنے آ کر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کتراجاتے؛ لیکن باپ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا اور بالآخر انھیں مقابلہ کرنا ہی پڑا اور جب مقابلہ سر پر آ ہی گیا تو اللہ سے جو رشتہ قائم تھا اس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ چکا تھا، باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی اور ایمان کفر پر غالب آ گیا اور باپ بیٹے کے ہاتھوں قتل ہوا۔

أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ كَالْقَبْ

جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے اور انھوں نے اپنے درمیان کوئی معلم بھیجنے کی درخواست کی تو آں حضرت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ:

هَذَا أَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ.

ترجمہ: یہ اس امت کے امین ہیں۔

آں حضرت رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد صحیحین میں مروی ہے کہ:

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينٌ وَأَمِينُ هَذِهِ الْأُمَّةِ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ جَرَّاحٍ.

ترجمہ: ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابو عبیدہ بن جراح

رضی اللہ عنہ ہیں۔

جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں آپ کا مقام

آں حضرت ﷺ کے وصال کے بعد جب سقیفہ بنی ساعدہ میں صحابہ کرامؓ کا اجتماع ہوا اور خلافت کی بات چلی تو حضرت صدیق اکبرؓ نے خلافت کے لیے دو نام پیش فرمائے: ایک حضرت عمرؓ کا اور دوسرے حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کا۔ حضرت ابوعبیدہؓ کا نام صدیق اکبرؓ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی نگاہ میں آپ کا مقام کیا تھا؟

ملکِ شام کی فوج کے امیر

حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں شام کی مہمات حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ ہی کے سپرد فرمائی تھیں، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں سارا شام آپ کی سرکردگی میں فتح ہوا اور آپ نے ملکِ شام کے گورنر کے فرائض انجام دیے۔

شام کا خطہ اپنی زرخیزی، آب و ہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرا نشینوں کے لیے ایک جنتِ ارضی سے کم نہ تھا، دوسری طرف یہاں اس وقت کے لحاظ سے انتہائی متمدن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا؛ لیکن صحابہ کرامؓ نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی فیضِ صحبت کا جو ان مٹ رنگ اپنے قلب و دماغ پر چڑھا لیا تھا اس میں وہ اس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں ان کے زہد و قناعت، دنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر اثر انداز نہ ہو سکیں، اس بات کا اندازہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے ایک واقعے سے ہوگا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا دل دہلا دینے والا ایک واقعہ

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے، اسی زمانے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ: مجھے اپنے گھر لے چلیے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: آپ میرے گھر آکر کیا کریں گے، وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھ نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو؟ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔ چوں کہ ان کو ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں ان کے گورنر بیرونی تہذیبوں سے متاثر ہو کر زیادہ عیش و عشرت میں نہ پڑ گئے ہوں۔ اصرار فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیران ہو کر پوچھا: آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہ سن کر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھالائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو رو پڑے؛ حالاں کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کتابوں میں لکھا ہے کہ: وہ بہت ہی سادہ زندگی گزارتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”امیر المؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے، بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لیے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اسے اپنی خواب گاہ یعنی قبر تک پہنچا دے۔“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ابو عبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا؛ مگر تمہیں نہیں بدل سکی۔

اللہ اکبر! وہ ابو عبیدہؓ جس کے نام سے قیصرِ روم کی عظیم طاقت لرزہ بر اندام تھی، جس کے ہاتھوں روم کے عظیم الشان قلعے فتح ہو رہے تھے اور جس کے قدموں پر روزانہ رومی مال و دولت کے خزانے ڈھیر ہوتے تھے، وہ روٹی کے سوکھے ٹکڑوں پر زندگی بسر کر رہے ہیں، دنیا کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ کر اسے اتنا ذلیل و رسوا کسی نے کیا ہے تو وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے یہی جانثار تھے۔

شان آنکھوں میں نہ جیتی تھی جہاں داروں کی

طاعون سے بچانے کے لیے حضرت عمرؓ کا خط

جب شام میں وہ تاریخی طاعون پھیلا جس میں ہزاروں افراد لقمۂ اجل بنے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو ایک خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے:

سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّهُ قَدْ عَرَضْتُ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً أُرِيدُ أَنْ أَشَافِيَهُكَ بِهَا، فَعَزَمْتُ بِهَا فَعَزَمْتُ عَلَيْكَ إِذَا نَظَرْتَ فِي كِتَابِي هَذَا (أَنْ لَا تَصْعَهُ) مِنْ يَدِكَ حَتَّى تُقْبَلَ إِلَيَّ.

ترجمہ: سلام کے بعد مجھے ایک ضرورت پیش آگئی ہے جس کے بارے میں آپ سے زبانی بات کرنا چاہتا ہوں، لہذا میں پوری تاکید کے ساتھ آپ کو کہتا ہوں کہ جیسے ہی آپ میرا یہ خط پڑھیں تو اسے اپنے ہاتھ سے رکھنے سے پہلے فوراً میری طرف روانہ ہو جائیں۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا جواب

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اطاعتِ امیر کے ساری زندگی پابند رہے؛ لیکن اس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ شدید ضرورت۔ جس کے لیے مجھے مدینہ منورہ بلایا ہے۔ صرف یہ ہے کہ وہ مجھے اس طاعوں زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں؛ چنانچہ یہ خط پڑ کر انھوں نے ساتھیوں سے فرمایا: امیر المؤمنین کی ضرورت سمجھ گیا، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں۔

یہ کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھا:

امیر المؤمنین! آپ نے مجھے جس ضرورت کے لیے بلایا ہے وہ مجھے معلوم ہے؛ لیکن میں مسلمانوں کے ایک لشکر کے درمیان ہوں جس کے لیے میں اپنے دل میں اعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا؛ لہذا میں ان لوگوں کو چھوڑ کر اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور ان کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرمادیتا؛ لہذا امیر المؤمنین! مجھے اپنے اس تاکیدِ حکم سے معاف فرمادیجئے اور مجھے یہاں اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجئے۔

جواب پڑھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے، جو لوگ پاس بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ شام سے خط آیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آبِ دیدہ دیکھ کر انھوں نے پوچھا: کیا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہوئی تو نہیں؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرا خط لکھا:
آپ نے لوگوں کو ایسی زمین میں رکھا ہوا ہے جو نشیب میں ہے، اب انھیں کسی
بلند جگہ پر لے جائیے جس کی ہوا صاف ستھری ہو۔

حضرت ابو عبیدہؓ کی وفات

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ: جب یہ خط حضرت ابو عبیدہؓ کو پہنچا
تو انھوں نے مجھے بلا کر کہا کہ: امیر المؤمنین کا یہ خط آیا ہے، اب ایسی جگہ تلاش کیجیے
جہاں لے جا کر لشکر کو ٹھہرایا جاسکے۔

میں جگہ کی تلاش میں نکلنے کے لیے پہلے گھر پہنچا تو دیکھا کہ میری اہلیہ طاعون مبتلا
ہو چکی ہیں، میں نے واپس آ کر حضرت ابو عبیدہؓ کو بتایا۔

اس پر انھوں نے خود تلاش میں جانے کا ارادہ کیا اور اپنے اونٹ پر کجاوہ کسوا یا،
ابھی آپ نے اس کے رکاب میں پاؤں رکھا ہی تھا کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا اور
اسی طاعون کے مرض میں آپ نے وفات پائی۔

حضرت ابو عبیدہؓ کے مزار پر

جب ہم حضرت ابو عبیدہؓ کے مزار پر پہنچے تو بے اختیار رونا آیا، ایسا لگتا تھا کہ
خدا کی رحمت کھلم کھلی برس رہی ہے، وہاں دیر تک کھڑے رہے، ایصالِ ثواب کیا،
بہت پرسکون جگہ ہے، جی نہیں چاہتا تھا کہ وہاں سے ہٹیں؛ لیکن معلوم ہوا تھا کہ اندر
دیہات میں ایک اور صحابی کا مزار ہے وہاں بھی جانا ہے، غروب کا وقت تھا؛ چنانچہ ہم
جلدی جلدی چلے اور صحابی رسول حضرت ضرار بن ازورؓ کے مزار پر پہنچے۔

حضرت ضرار بن اُزَورؓ کا تعارف

حضرت ضرار بن اُزَورؓ ان مجاہد صحابہ کرام میں سے ہیں جن کی شجاعت و بہادری کی داستانوں سے شام کی فتوحات کی تاریخ بھری پڑی ہے، حضرت خالدؓ کے خاص ساتھی، ان کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ جنگ کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ سینے پر زِرہ نہیں پہنتے تھے؛ بلکہ قمیص بھی اتار دیتے تھے اور کھلے بدن لڑا کرتے تھے۔

حضرت ضرارؓ کی وفات کہاں ہوئی؟

ان کی وفات کہاں اور کس زمانے میں ہوئی، حافظ ابن حجرؒ نے اس بارے میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں:

بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بعض سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ اجانید میں ان کی شہادت ہوئی۔

بعض کہتے ہیں کہ: وہ جنگِ یرموک میں شامل تھے اور اس کے بعد دمشق میں ان

کا انتقال ہوا۔ (جہان دیدہ: ۲۰۳)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ: یہ وہی صحابی ہیں جن کو حضور ﷺ نے اپنے آخری زمانہ میں اپنے مقابل نبوت کا دعویٰ کرنے والے طلیحہ اسدی کی بیخ گنی کے لیے ایک لشکر لے کر روانہ فرمایا تھا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے:

حضرت ضرارؓ تحفظِ ختمِ نبوت کے محاذ پر

طلیحہ بن خویلد اسدی نامی ایک شخص۔ جو قبیلہ بنو اسد کی طرف منسوب ہے، جو نواحِ خیبر میں واقع ہے۔ نے حضور ﷺ کے زمانے ہی میں مرتد ہو کر ”سمیرا“ نامی ایک

جگہ میں اقامت اختیار لی تھی اور وہیں دعویٰ نبوت کر کے مخلوقِ خدا کو گمراہ کرنے میں مصروف ہوا اور چوں کہ گناہ اور معصیت کے کاموں میں شیطان اور نفس کا بھی بڑا زور رہتا ہے بایں وجہ تھوڑے ہی عرصے میں ہزار ہا لوگ اس کے حلقہٴ ارادت میں داخل ہو گئے، اسی پر بس نہ کیا؛ بلکہ اس منحوس نے - نعوذ باللہ من ذلک - اپنے ایک چیلے کو جس کا نام ”حیال“ یا ”حبال“ تھا ہادیٰ اعظم حضرت محمد ﷺ کے پاس اپنی نبوت کی دعوت لے کر مدینہ منورہ روانہ کیا۔

حیال بارگاہِ نبوت میں پہنچا اور صورتِ حال بیان کر کے حضرت سید الاولین والاخرین علیہ الصلاۃ والتسلیم کو طلحی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔
حیال نے اپنے اثباتِ دعویٰ میں کہا کہ: طلحہ کے پاس ذوالنون یعنی روح الامین آتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم لوگوں نے محض ذوالنون کا نام کہیں سے سن لیا ہے۔
حیال اس کے جواب میں نہایت مغرورانہ لہجے میں کہنے لگا: واہ صاحب! کیا وہ شخص جھوٹا ہو سکتا ہے جس کو لاکھوں مخلوق اپنا ہادی اور نجات دہندہ یقین کرتی ہے؟
آں حضرت ﷺ اس گستاخی پر ناخوش ہوئے اور فرمایا: خدا تمہیں ہلاک کرے اور تمہارا خاتمہ بخیر نہ ہو۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، حیال حالتِ ارتداد ہی میں قتل ہو کر واصلِ جہنم ہوا اور دنیا سے نامراد گیا۔

حیال کی واپسی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کو اپنے عمال اور قبائل کے پاس تحریکِ جہاد کی غرض سے روانہ فرمایا جو طلحہ سے قریب واقع تھے۔

حضرت ضرار رضی اللہ عنہ نے علی بن اسد سنان بن ابوسنان اور قبیلہ قضاہ اور قبیلہ قرطہ وغیرہ کے پاس پہنچ کر آں حضرت ﷺ کا پیغام سنایا۔

انہوں نے اس ارشاد پر لبیک کہا اور حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کے ماتحت مسلمانوں کی بڑی جمعیت کو جہاد کی غرض سے بھیج دیا، لشکرِ اسلامی ”واردات“ کے مقام پر خیمہ زن ہوا، ادھر کفار نے بھی لاؤ لشکر جمع کیا اور دونوں طرف سے صف آرائی شروع ہوئی، توحید و رسالت پر مر مٹنے والے شیر کی طرح دشمن پر جھپٹ پڑے اور جو سامنے آیا اس کو گاجرمولی کی طرح کاٹ گرایا، طلحہ کے ماننے والوں نے مسلمانوں کے نرغے کو روکنے کی بہتیری کوشش کی؛ لیکن شجاعانِ اسلام کے سامنے کچھ کام نہ آئی اور سخت بدحواسی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے، لشکرِ اسلام مظفر و منصور واپس آیا؛ لیکن ضرار رضی اللہ عنہ ابھی تک مدینہ نہیں پہنچے تھے کہ فخرِ موجودات اس فانی دنیا کو چھوڑ کر ابدی راحت کے لیے رخصت ہو چکے تھے۔ (ازائمہ تلبیس)

عربوں کی ایک اچھی عادت

یہاں ایک اچھی بات یہ جاننے ملی کہ: عربوں کی عادت ہے کہ ان کے علاقے میں کسی نبی یا صحابی کا مزار ہو تو انہیں کے نام سے اس بستی یا گاؤں کا نام رکھتے ہیں: حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کا جہاں مزار ہے اس کا نام ”قریۃ ابی عبیدہ رضی اللہ عنہ“ ہے۔ حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ کا جہاں مزار ہے اس بستی کا نام ”قریۃ ضرار“ ہے۔ بہر حال! ان زیارتوں سے فارغ ہو کر کافی رات کو ہم عمان شہر واپس لوٹے۔ یہ ہماری ایک دن کی کارگزاری مکمل ہوئی جس میں ہم نے تین زیارتیں کی:

① اصحاب کھف ② حضرت یوشع کا مزار ③ عمواس میں مدفون دو مشہور صحابی: حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت ضرار بن ازورؓ کے مزار کی زیارت۔
ہمارے سفر کا دوسرا دن تیرھویں تاریخ یوم جمعہ تھا، اور گانڈ صاحب کی ترتیب آج ہمیں موتہ لے جانے کی تھی۔

موتہ کا تعارف

”موتہ“ میم پر پیش اور واؤ کے سکون کے ساتھ ملک شام ہی میں عمان شہر سے کافی دور سعودی کی سرحد پر واقع ایک شہر کا نام ہے، موتہ مدینہ منورہ سے بہت قریب ہے۔
موتہ کا نام سنتے ہی اس کی یادیں تازہ ہونے لگی، تاریخ رسالت میں سب سے بڑی جنگ اسی سرزمین پر پیش آئی ہے، سن ہجری آٹھ (۸) میں وہاں غزوہ موتہ پیش آیا تھا، جس میں حضور ﷺ نے تقریباً تین (3000) کا لشکر بھیجا تھا۔

غزوہ موتہ کا سبب

آں حضرت ﷺ نے ایک صحابی حضرت حارث بن عمیر از دی کو بصری (شام) کے بادشاہ کے پاس دعوت اسلام کے عنوان پر ایک قیمتی خط دے کر بھیجا تھا، ابھی وہ بصری پہنچے بھی نہ تھے کہ راستے میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں گرفتار کر کے بصری کے حاکم کے پاس پیش کر دیا اور اس نے آپ کو قتل کر دیا، آں حضرت ﷺ کے اہلچہلوں میں وہ تنہا ایلچی ہے جن کو اس طرح شہید کیا گیا۔

آں حضرت ﷺ کو اس غمناک حادثہ کی اطلاع ملی تو بہت صدمہ ہوا، اور ایلچی اور قاصد کا قتل اس دور میں بھی بین الاقوامی بڑا جرم سمجھا جاتا تھا؛ چنانچہ اس وقت کے

مخالف حالات کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو جمع فرما کر اس حادثے کی اطلاع دی اور اس وقت کی سپر پاور طاقت روم اور شام سے لڑنے کے لیے تین ہزار صحابہ رضی اللہ عنہ کا لشکر تیار فرمایا، جس کی سربراہی کے لیے اولاً اپنے لے پالک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اور ان کے شہید ہو جانے کے بعد آپ کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اور ان کے شہید ہو جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا نام منتخب فرمایا اور فرمایا کہ: اگر وہ بھی شہید ہو جائے تو مسلمان اپنے مشورے سے جس کو چاہے امیر منتخب کر لیں۔

اشارہ شہادت

مؤرخین نے لکھا ہے کہ: خلاف معمول آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معرکہ کی امارت کے لیے یکے بعد دیگرے تین امیروں کو منتخب فرمانے میں اشارہ تھا کہ یہ تینوں حضرات اس معرکہ میں شہادت سے سرفراز ہوں گے؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا، تینوں صحابی اس جنگ میں شہید ہوئے اور اس کے بعد مسلمانوں کی جماعت نے باتفاق رائے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا اور پھر انھیں کی امارت میں مسلمانوں کا وہ لشکر مظفر و منصور واپس لوٹا۔

غزوہ موتہ کے تینوں امیروں کا مختصر تعارف

① حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

نام: زید۔ والد کا نام: حارثہ۔ والدہ کا نام: سعدی بنت ثعلبہ۔ کنیت: ابو اسامہ۔ لقب: حب رسول۔ یمن کے ایک نہایت معزز قبیلہ بنو قضاہ سے ان کا تعلق تھا، والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ جو قبیلہ ”بنو طی“ کی ایک شاخ ”بنو معن“ سے تعلق رکھتی تھی۔

ابتدائی حالات

حضرت زید رضی اللہ عنہ ابتدا میں زید بن محمد کے نام سے جانے پہچانے جاتے تھے، جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ: ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ ایک مرتبہ اپنے چھوٹے بچے زید کو لے کر اپنے میکے گئیں، ابھی وہ میکہ ہی میں تھی کہ: بنو قین کے سوار جو غارت گری سے واپس آرہے تھے اس نو نہال کو خیمے کے سامنے سے اٹھالائے اور غلام بنا کر عکاظ کے بازار میں بیچنے کے لیے پیش کیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں

حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نصیب اچھا تھا، اللہ تعالیٰ نے غلامی میں بھی سرداری مقدر کی تھی، حضرت حکیم بن حزام۔ جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہوتے ہیں۔ نے چار سو (400) درہم میں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نذر کر دیا، اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وہ غلام سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت کے لیے پیش کر دیا؛ گویا اس طرح ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وساطت سے حضرت زید کو سرکار کی غلامی کا شرف نصیب ہو گیا، جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں، پھر کیا تھا حضرت زید حضور ﷺ کی غلامی میں مزے کی زندگی بسر کرنے لگے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ اسلام کے سایہ میں

یہاں تک کہ: جب آں حضرت ﷺ کو تاج نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو غلاموں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے یہی قرار پائے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ایک نرالی شادی

ویسے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے مختلف شادیاں کی؛ مگر ان کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ خود حضور ﷺ نے اپنی باندی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کروائی اور انھیں کے بطن سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے ہیں، جو اپنے والد کے انتقال کے بعد ”حب رسول“ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے والد کی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری

جیسا کہ پہلے بتلایا جا چکا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بچپن سے غائب تھے اور ان کے والدین اور دیگر رشتے دار ان کی تلاش ہی میں تھے، جب ان کے والد کو پتہ چلا تو اپنے بھائی کعب بن شریحیل کو ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر لجاجت کے ساتھ عرض کیا:

اے ابن عبد اللہ! اے ابن عبد المطلب! اے قوم کے رئیس زادہ! تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو، مصیبت زدوں کی دست گیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہو، غلاموں کو آزاد کرتے ہو، ہم تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو رہین منت بنادو، ان کو آزاد کرنے کے لیے جس قدر چاہو مال لے لو، ہم قرار سے بھی زیادہ معاوضہ دینے تیار ہیں۔

ارشاد ہوا: وہ کون ہے؟ وہ بولے: زید بن حارثہ۔

آں حضرت ﷺ نے جب یہ نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا: کیا اس کے سوا تمہاری اور کوئی حاجت نہیں؟ جواب دیا: نہیں۔

آپ ﷺ کا حضرت زیدؓ کو اختیار دینا

فرمایا: بہتر ہے، میں زید کو بلا کر اختیار دوں گا، اگر وہ تمہیں پسند کرے تو وہ تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم! میں ایسا نہیں ہوں کہ اپنے ترجیح دینے والوں پر کسی کو ترجیح دوں۔

حارشہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی؛ چنانچہ حضرت زید بلائے گئے۔

آں حضرت ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو؟
عرض کیا کہ: ہاں! یہ میرے باپ اور چچا ہیں۔

آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا کہ: میں کون ہوں اس سے تم واقف ہو، میری ہم نشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے، چاہے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔

اس غلامی پر سینکڑوں آزادیاں قربان

حضرت زیدؓ کو شہنشاہ کونینؓ کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدا ہا
آزادیاں قربان تھیں۔ بولے: میں ایسا نہیں ہوں جو حضور ﷺ پر کسی کو ترجیح دوں، آپ
ﷺ ہی میرے ماں باپ ہیں۔

ایک طرف سالوں سے بچھڑا ہوا باپ ہے اور دوسری طرف حضور ﷺ کی ذات
بابرکات، نیز ایک طرف بیٹے کی باپ سے محبت یہ ایک فطری تقاضہ ہے تو دوسری طرف
حضور ﷺ کی محبت یہ ایک شرعی تقاضا۔

صرف محبت کا دعویٰ کافی نہیں

حضرت زیدؓ نے حضور ﷺ کی صحبت میں رہ کر اسی گرو کو سیکھا تھا کہ فطری اور شرعی محبت کے تقابل اور مقابلے کے وقت ترجیح شرعی محبت ہی کو ہوگی۔

آج امت نے اسی گرو کو کھودیا اور فقط دعوئے محبت ہی میں پھنس کر رہ گئی، ضرورت ہے اس بات کی حضور ﷺ کی محبت کو شرعی محبت سمجھا جائے اور اس طرح کے مقابلے کے وقت شرعی محبت کو اپنایا جائے اور رسمی محبت کو ترک کیا جائے۔

خیر! حضرت زیدؓ نے اپنے والد اور چچا کو کہہ دیا کہ: میں حضور کو چھوڑ آپ کے پاس نہیں آ سکتا، میں حضور کے مقابلے میں آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت زیدؓ کے والد کی حیرت

حضرت زیدؓ کی اس مخلصانہ و فاشعار کی ان کے باپ اور چچا کو محو حیرت کر دیا، تعجب سے بولے: زید! افسوس تم تو آزادی یعنی باپ اور چچا پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو۔

فرمایا: ہاں! مجھے اس ذات پاک میں وہ محاسن نظر آئے ہیں، میں اس پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

آزادی کا پروانہ اور زید ابن محمد بننے کی سعادت

حضرت زیدؓ کی اس غیر متزلزل محبت نے آقا کے دل میں چھپی محبت کی چنگاری کو بھڑکادیا، چنانچہ آپ حضرت ﷺ نے خانہ کعبہ میں حجر اسود کے پاس لے جا کر اعلان فرما دیا کہ: آج سے زید میرا بیٹا ہے، میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا وارث

ہوگا۔

اس اعلان کے بعد ان کے باپ کا افسردہ دل گل شگفتہ کی طرح کھل گیا، اگرچہ والد کو بیٹے کی مفارقت گوارا نہ تھی؛ تاہم اپنے نختِ جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوشِ شفقت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان و مسرت کے ساتھ واپس گئے۔

پھر تو حضرت زیدؑ ”ابن حارثہ“ کے بجائے ”ابن محمد“ سے پکارے جانے لگے اور اسی نام سے تمام لوگوں میں مشہور ہو گئے، یہاں تک کہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ﴿۱۰۰﴾ اَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۰۱﴾ (الأحزاب)

ترجمہ: اور تمہارے منہ بولے بیٹوں (لے پالک) کو (حقیقی، سچا) بیٹے نہیں بنایا، یہ تو تمہاری بات ہی بات ہے جو تم منہ سے کہتے ہو اور اللہ تو سچی بات کہتے ہیں اور وہی سیدھا راستہ بتلاتے ہیں ﴿۱۰۰﴾ تم ان کو ان کے (حقیقی) باپوں کے نام سے پکارا کرو، یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے، پھر اگر تم کو ان کے (اصلی) باپ معلوم نہیں ہے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں اور تم سے جو بھول چوک ہو جائے اس کی وجہ سے تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا؛ لیکن جو کام تم اپنے دلوں سے جان بوجھ کر کرو گے (اس میں گناہ ہے) اور اللہ تعالیٰ تو بہت زیادہ معاف کرنے والے، سب سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ
النَّبِيِّينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥﴾ (الأحزاب)

ترجمہ: محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے (نسبی) باپ نہیں ہیں؛ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

اس میں بتلایا گیا کہ: منہ بولے بیٹے حقیقی بیٹوں کے مانند نہیں ہیں اور ان کی نسبت حقیقی باپ سے قطع کر کے غیر حقیقی باپ کی طرف کرنا یہ نا انصافی ہے، چنانچہ ابن محمد والی نسبت شریعت کے حکم کی بنیاد پر بادل نا خواستہ چھوڑنی پڑی۔

صرف ایک صحابی حضرت زید (رضی اللہ عنہ) کا نام صراحتاً قرآن میں

مفسرین نے لکھا ہے کہ: جب حضرت نبی کریم (ﷺ) کی طرف باپ والی نسبت جو مشہور تھی اس کو قانونِ الہی کی وجہ سے بدلنا پڑا تو آپ کی تسلی کا سامان قرآن میں آپ کے ذکرِ خیر کے ذریعہ سے کیا گیا: ﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا﴾
ترجمہ: پھر جب زید نے اس (عورت) سے (اپنی) حاجت پوری کر لی۔

قرآن مجید میں صحابہ میں سے صراحتاً آپ ہی کا نام مذکور ہے۔
نوٹ: حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کا تفصیلی واقعہ ”قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات“ جلد (۳) میں ملاحظہ فرمائیں۔

گویا حضرت زید (رضی اللہ عنہ) کو باپ، خاندان کے چھوڑنے پر حضور (ﷺ) کی طرف سے بطورِ انعام گھر کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا؛ مگر اب شرعی حکم کی بنیاد پر اس کو

بھی بلا چون و چرا چھوڑ دیا؛ یعنی اللہ تعالیٰ کے منشا و مرضی پر اپنی مرضی کو قربان کر دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا کہ رہتی دنیا تک ان کا نام بطور تلاوت پڑھا جائے گا اور جس طرح قرآن مجید کے دیگر حروف کی تلاوت پر دس دس نیکیوں کا وعدہ ہے اس نام کے پڑھنے پر بھی اللہ تعالیٰ وہ اپنا فضل فرمائیں گے، اور آخرت کا انعام تو الگ رہا۔

دوسرے امیر لشکر: حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا تعارف

نام: جعفر۔ والد کا نام: عبد المناف (ابو طالب)۔ والدہ کا نام: فاطمہ۔ کنیت: ابو عبد اللہ۔ لقب: ابو المساکین، طیار۔

شجرہ نسب یہ ہے: جعفر بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی القرشی الهاشمی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے جو عمر میں ان سے دس سال بڑے تھے، شکل و شباهت میں حضور ﷺ کے مشابہ تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اُسْبَهَتْ خَلْقِي وَخُلُقِي۔

ترجمہ: تم صورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غریبوں کی بہت خدمت اور امداد کرتے تھے، اسی وجہ ابو المساکین کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: رسول اللہ ﷺ کے بعد جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔

آپ ﷺ کا شمار بھی ان خوش نصیب صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے دین کی حفاظت کی خاطر دو مرتبہ ہجرت فرمائی: ایک مرتبہ ملک حبشہ کی طرف اور دوسری مرتبہ حضور ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرما جانے کے بعد سن ہجری سات (۷) میں غزوہ خیبر کے موقع پر ملک حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔

جب وہ مدینہ منورہ پہنچے اس دن خیبر فتح ہو گیا تھا، جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سامنے آئے تو آپ حضرت ﷺ نے ان کو گلے سے لگایا اور پیشانی چوم کر فرمایا کہ: ”میں نہیں جانتا کہ مجھ کو جعفر کے آنے سے زیادہ خوشی ہوئی یا خیبر کی فتح سے“۔

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی جان دار تقریر

مکہ کے کفار کے کہنے پر نجاشی نے جب مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا تو نجاشی نے پوچھا کہ: تمہارا دین کونسا ہے جس کے باعث تم نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور وہ جدید مذہب جو ہم سب لوگوں کے لیے نرالا ہے وہ کیا ہے؟ اس کے جواب کے لیے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور نجاشی شاہ حبشہ کے سامنے ایک شان دار تقریر کی۔

اسلام کا عمدہ تعارف

فرمایا: شاہا! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، فواحش میں مبتلا تھے، قطع رحمی کرتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ بُرا برتاؤ رکھتے تھے، ہمارا طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتا تھا۔

ہماری اس حالت میں خدا نے ایک ایسے پیغمبر کو مبعوث کیا جس کے صدق، عفاف،

امانت و دیانت، حسب و نسب کو ہم پہلے سے جانتے تھے، اس نے ہم کو ایک خدا کی طرف بلایا کہ ہم صرف اسی کی پرستش کریں اور اپنے آبا کے مانند بتوں کی پرستش چھوڑ دیں۔ اس نے ہم کو سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے، حرام باتوں اور خون ریزی سے دور رہنے کا حکم دیا اور فواحش سے، جھوٹ بولنے سے، یتیم کا مال کھانے سے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور خدائے واحد کی تنہا عبادت کا حکم دیا کہ اس میں کسی کو شریک نہ کریں اور صوم و صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔

ہم نے اس کو مانا اور اس پر ایمان لائے، اب جبکہ ہم نے شرک چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کی اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانا اس پر ہماری قوم دشمن ہو گئی اور ہم کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانے لگی؛ تاکہ ہم ایک خدا کی عبادت چھوڑ کر پھر سے بت پرستی شروع کر دیں۔

نجاشی نے کہا: خدا کا کلام تم کو کچھ یاد ہے؟

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں!

نجاشی نے سننے کی خواہش ظاہر کی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کا وہی ابتدائی حصہ پڑھ کر سنایا جو رسالت مآب

نے بہ وقت رخصت عنایت فرمایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں وہ تاثیر رکھی ہے کہ بڑے بڑے دشمنوں نے بھی

جب اس کو سنا تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔

چنانچہ نجاشی اور اس کے درباری بھی اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے

ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہا کہ: یہ اور عیسیٰ ﷺ کا لایا ہوا مذہب ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں اور عمرو بن العاص اور عبد اللہ بن ربیعہ سے کہا کہ: تم چلے جاؤ، یہ لوگ تمہارے حوالے کسی طرح نہیں کیے جاسکتے۔

تیسرے امیر لشکر: حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ

نام: عبد اللہ۔ والد: رواحہ۔ والدہ: کبشہ بنت واقد بن عمرو۔ کنیت: ابو محمد۔ لقب: شاعر رسول۔ خاندان: حارث بن خزرج۔

سلسلہ نسب: عبد اللہ بن رواحہ بن ثعلبہ بن عمرو بن امرأ القیس الاکبر۔

اخلاق و عادات

نہایت عابد و زاہد تھے، خود آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ: عبد اللہ بن رواحہ انہیں مجلسوں کو پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: کوئی دن ایسا نہیں ہوتا جس میں میں ابن رواحہ کو یاد نہ کرتا ہوں اور وہ مجھ سے ملتے تو کہتے کہ: آؤ تھوڑی دیر کے لیے مسلمان بن جاویں، پھر بیٹھ کر ذکر کرتے اور کہتے کہ: یہ ایمان کی مجلس تھی۔

ان کی بیوی کا بیان ہے کہ: جب گھر سے نکلتے تو دو رکعت نماز پڑھتے اور واپس آتے اس وقت بھی ایسا ہی کرتے، اس میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

ایک سفر میں اتنی شدید گرمی تھی کہ آفتاب کی نماز کی وجہ سے لوگ سروں پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے؛ لیکن ایسی حالت میں بھی حضور ﷺ اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے۔

جہاد کا بہت زیادہ شوق تھا، بدر سے لے کر موتہ تک ایک غزوہ بھی ترک نہ ہوا، اسماء الرجال کے مصنفین اس شوق و ذوق کا ان الفاظ میں تذکرہ کرتے ہیں، یعنی حضرت عبداللہ ﷺ غزوے میں سب سے پہلے جاتے اور سب سے پیچھے واپس ہوتے تھے۔

فضل و کمال

کتابت اور شعر گوئی میں کمال حاصل تھا، دربار رسالت کے کاہنوں اور شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے، صاحب اسد الغابہ لکھتے ہیں کہ: دربار نبوی ﷺ کے شعراء: حضرت حسان بن ثابت ؓ، حضرت کعب بن مالک ؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ تھے۔

حضرت حسان ؓ تو حسب و نسب پر چوٹ کرتے تھے اور حضرت کعب بن مالک ؓ کا کام کافروں کو لڑائی سے ڈرانا تھا، رہ گئے حضرت عبداللہ ؓ تو وہ کفاروں کو کفر پر عار اور غیرت دلاتے تھے۔

ان کی شاعری کا واقعہ

ان کی شعر گوئی سے متعلق کتابوں میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے: ایک مرتبہ ان کی بیوی کو ان کے متعلق کچھ بدگمانی سی ہو گئی، ہوا یہ کہ وہ ایک مرتبہ اپنی لونڈی سے ہم بستر تھے، بیوی نے کچھ اور ہی سمجھ لیا اور غصہ میں آ گئی، حضرت عبداللہ ؓ نے ان کی سمجھی ہوئی بات کو جھٹلادیا، اس پر ان کی بیوی نے کہا: اگر تم پاک ہو تو قرآن پڑھو۔

اس وقت عبداللہ بن رواحہ ؓ کو عجیب چال سوچھی اور بروقت چند اشعار پڑے جن کا ترجمہ یہ ہے:

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور عرش پانی کے اوپر تھا اور عرش پر جہاں کا پروردگار اور اس عرش کو خدا کے مضبوط فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔

بیوی چوں کہ قرآن پڑھی ہوئی نہیں تھی، سمجھیں کہ آیتیں پڑھ رہے ہیں، بولیں: خدا سچا ہے اور میری نظر نے غلطی کی، میں نے ناحق تہمت لگائی۔

جامع موتہ میں جمعہ کی نماز کی سعادت

بہر حال! ہم سویرے سویرے عمان سے روانہ ہوئے اور لگاتار چلتے رہے، مگر اس کے باوجود ہماری گاڑی منزل پر اس وقت پہنچی جب کہ سورج ڈھل چکا تھا اور جمعہ کے دن کی وجہ سے گویا نماز جمعہ نے ہم کو پالیا تھا؛ چنانچہ اولاً ہم نے موتہ کی وسیع و عریض جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جس میں بہت اونچا منبر ہے، اور طویل خطبہ ہوا، نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد سیدھے ہم غزوہ موتہ کے تینوں امیر لشکر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات پر پہنچے۔

حضرت جعفر، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے

مزارات پر دلوں کی عجیب کیفیت

سب سے پہلے ہم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے مزار کی زیارت کی، موتہ کی جامع مسجد کے پڑوس میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا مزار ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے جہان دیدہ میں لکھا ہے کہ: غزوہ موتہ کے میدان اور تینوں بزرگوں کے مزارات پر حاضری اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی سکینت و طمانینت آج کے دن کا وہ عظیم سرمایہ تھی جو زندگی بھر یاد

رہے گی۔

میں نے یہ جملہ پڑھ رکھا تھا؛ لیکن تجربات کی دنیا میں اس کا مطلب یہیں آکر سمجھ میں آیا، دل کی کیفیت عجیب ہوتی جا رہی تھی، سارے ساتھیوں کی آنکھوں سے برابر آنسو بہہ رہے تھے، ایک ساتھی نے دوسرے سے کہا کہ: مفتی صاحب سے کہو: دعا کرائیں۔ ہم نے ہاتھ اٹھائے، تقریباً آدھے گھنٹے تک ساتھیوں نے چیخیں مار مار کر دعا کی کہ: یا اللہ! یہ تیرے محبوب نبی کے چچا زاد بھائی ہیں، تیرے دین کی خاطر اپنے وطن سے اتنی دور آکر سو گئے، شہید ہو گئے، اے اللہ! تو ان کی قربانیوں کو قبول فرما اور انہی کے نقش قدم پر ہمیں بھی مرتے دم تک دین کی مقبول خدمات کے لیے چن لے۔

ایک نعمت غیر مترقبہ: اسلامی وضع قطع کی برکات

اللہ کی شان دیکھو! ہم باہر نکلے تو مسجد میں ہمیں دیکھ کر بہت سے عرب حضرات آئے اور بات کرنا چاہا، ساتھیوں نے میری طرف اشارہ کر دیا کہ: ان سے بات کرو؛ چوں کہ عربی زبان کا معاملہ تھا۔

وہ میرے پاس آکر کہنے لگے: آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے بتایا کہ: بھارت سے آئے ہیں، قرآنی مقامات اور حضرات صحابہ کرام کے مزارات کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے کہ: ہمارے گھر چلو اور کھانا کھا لو، آپ کی دعوت ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ: کیسے؟ ہم سولہ (۱۶) اور دو (۲) ہمارے ڈرائیور، اس طرح اٹھارہ (۱۸) ساتھی ہیں۔

وہ کہنے لگے: کوئی بات نہیں، سب کی دعوت ہے، واللہ! مافی مشكلۃ۔
 بہت اصرار کیا؛ مگر چوں کہ ہمارے کھانے کا نظام آگے طے تھا اور دُئی کے
 ہمارے ایک دوست حافظ نعیم صاحب ویرا ولی وہیں ملنے والے تھے، جو مستقل اس سفر
 میں رفاقت کے لیے دُئی سے عمان پہنچے تھے؛ اس لیے معذرت ہی کرنی پڑی۔
 حضرت جعفر ؓ کے مزار سے فارغ ہو کر آگے بڑھے تو ایک چھوٹی سی پہاڑی پر
 حضرت زید بن حارثہ ؓ کا مزار ہے، اس کی زیارت کی۔
 وہاں سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کا مزار ہے، وہاں
 بھی حاضری ہوئی۔

مدین کے قریب

ہمیں بتلایا گیا کہ: تقریباً پچیس (۲۵) کلومیٹر کے فاصلے پر مدین کا علاقہ ہے،
 مدین سے بھی ہماری بہت ساری یادیں وابستہ ہیں، وادی مدین کا ذکر قرآن میں حضرت
 موسیٰ ؑ کے واقعہ میں ہے:

① وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ
 السَّبِيلِ ﴿٢٢﴾ (القصص)

ترجمہ: اور جب ان (موسیٰ ؑ) نے مدین کی جانب رخ کیا تو (دعا میں) کہا:
 امید ہے کہ میرے رب مجھے سیدھے راستے پر لے جاویں گے۔

② وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ.

ترجمہ: اور جب وہ (موسیٰ ؑ) مدین کے کنویں پر پہنچے تو لوگوں کے ایک مجمع کو

دیکھا کہ (کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں) کو پانی پلا رہے ہیں۔
 وادی مدین میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زندگی کے دس (۱۰) سال گزارے ہیں؛
 اس لیے میں نے گائڈ سے کہا کہ: ہم تو ہر حال میں مدین جائیں گے، ہمیں وہ جنگل
 دیکھنا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مکرمیاں چراتے تھے اور وہ کنواں دیکھنا ہے جس کا
 ذکر قرآن میں ہے، اور ایک تحقیق یہ ہے کہ ”مدین“ کا علاقہ اس وقت سعودیہ کا جورڈن
 کی طرف کا سرحدی علاقہ اور موتہ کے مابین واقع ہے۔

گائڈ نے کہا: شیخ! ابھی تو ہم کو موتہ کا میدان جنگ دیکھنا بھی باقی ہے۔

موتہ کا میدان جنگ اور قاصدِ رسول

حضرت حارث بن عمیر از دی ۷ کا مزار

مزارات کی زیارت کے بعد ہم گاڑی سے واپس ہوئے اور پھر موتہ پہنچ کر جس
 جگہ غزوہ موتہ پیش آیا تھا اس میدان کا مشاہدہ کیا، میدان کے درمیان میں حضرت
 حارث بن عمیر از دی ۷ کا مزار ہے۔ جو رسالتِ مآب ﷺ کا خط پہنچانے آئے تھے اور
 شہید کر دیے گئے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب ”انبیا کی سرزمین
 میں چند روز“ میں لکھا ہے کہ: وہاں کے لوگوں نے بتایا کہ جب تک یہاں پکی سڑکیں
 اور آبادی کی کثرت نہیں تھی اور بجلی بھی نہیں آئی تھی اس وقت تک جب ہم جمعہ کے دن
 صبح کو فجر کی نماز کے لیے جاتے تھے تو یہاں تلواروں کی جھنکار اور گھوڑوں کے ٹاپوں اور
 ہنہانے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، جیسے جنگ ہو رہی ہو؛ لیکن جب سے آبادی بڑھی

اور عمارتیں پکی بن گئیں تو وہ آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

بہر حال! ہم وہاں کافی دیر بیٹھے، ذکر، دعا، اور تسبیحات میں مشغول رہے، عجیب پر سکون جگہ ہے، بڑے بڑے پتھر وہاں ہیں، جمعہ کے بعد کا وقت تھا، دھوپ تھی پھر بھی منظر اچھا معلوم ہو رہا تھا، چاروں طرف دور دور نظر دوڑ رہی تھی اور موتہ کی یادوں میں ذہن گشت کر رہا تھا۔

بحرِ میت

دوپہر کے کھانے کا نظم گانڈ نے بحرِ میت پر کر رکھا تھا اور بحرِ میت وہاں سے کافی فاصلہ پر تھا، وقت بھی کافی ہو چکا تھا، گانڈ کو بھی جلدی تھی، اس نے کہا کہ: آپ حضرات کا کھانا ”بحرِ میت“ پر ہے۔

میں نے کہا: بحرِ میت کوئی کھانا کھانے کی جگہ ہے؟
انہوں نے کہا: نہیں! کھانا تو وہیں ہوگا۔ گویا ہم نے بتا دیا کہ: بحرِ میت جا کر کھانا کھانا ہم کو پسند نہیں ہے، وہ عذاب کا مقام ہے۔

بحرِ میت کا تعارف

بحرِ میت (Dead sea) یہ ایک چھوٹا سا سمندر ہے، جو اپنی تاریخی اور جغرافیائی خصوصیت کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہے، یہ سمندر کل پچاس (50) میل لمبا اور گیارہ (11) میل چوڑا ہے، اس کی سطح کا کل رقبہ تقریباً تین سو اکیاون (351) مربع میل ہے، زیادہ سے زیادہ گہرائی تیرہ سو (1300) فٹ ہے۔

۱۹۶۷ء سے پہلے اس کا نصف شمالی حصہ مکمل طور پر اردن میں تھا اور باقی نصف

حصہ اردن اور اسرائیل کے درمیان بٹا ہوا تھا، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد اسرائیلی فوجیں پورے مغربی ساحل پر قابض ہو گئی ہیں۔

یہ دنیا کا واحد سمندر ہے جو کسی دوسرے سمندر سے جڑا ہوا نہیں ہے، اس کے طول و عرض کے لحاظ سے اس کو جھیل کہنا زیادہ موزون ہے؛ لیکن چوں کہ اس کا پانی خالص سمندری پانی ہے؛ بلکہ اس کے پانی کی کڑواہٹ، تلخی اور شوریدہ پن عام سمندروں کے مقابلے میں کم از کم دس گنا زیادہ ہے، اسی وجہ سے اس کو ”بحر“ یا ”بحیرہ“ ہی کہا جاتا ہے۔

مزید اس کا پانی اتنا گاڑھا ہے جیسے شہد یا شکر کا شیرہ، اسی وجہ سے کوئی بھی آدمی اس پانی میں ڈوبتا نہیں، پانی وزن دار اور انسان کا وزن اندر جانے کے بعد کم ہو جاتا ہے۔ یہ دنیا کا سب سے نچلی سطح زمین والا حصہ ہے، اس طرح کہ یہ عام سطح سمندر سے تیرہ سو فٹ نیچے ہے، یہاں سے قریب ترین سمندر بحر متوسط (یا بحر روم) ہے؛ لیکن بحر میت اس کی سطح سے تیرہ سو فٹ نیچے واقع ہے اور اس طرح یہ کرۂ زمین کا سب سے نچلا حصہ ہے، اردن کا دریا اسی سمندر (بحر میت) میں آ کر گرتا ہے اور آس پاس کی پہاڑی ندیاں بھی اسی میں آ کر شامل ہوتی ہیں، مگر اس کا پانی کسی دوسرے سمندر یا ندیوں کو نہیں ملتا۔

جدید محققین کی رائے

بہت سے جدید محققین کا کہنا ہے کہ: یہ وہی جگہ ہے جس پر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم آباد تھی؛ بلکہ مصری محقق عبدالوہاب النجار نے اس سمندر کے وجود میں آنے کا سبب ہی

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر آنے والا عذاب قرار دیا ہے، جس کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

سدوم

اردن کی وہ جانب جہاں آج بحرِ میت یا بحرِ لوط واقع ہے، یہی وہ جگہ ہے جس میں سدوم اور عامورا کی بستیاں آباد تھیں، اس کے قریب بسنے والوں کا یہ اعتقاد ہے کہ پہلے یہ تمام حصہ جو اب سمندر نظر آتا ہے کسی زمانے میں خشک زمین تھی اور اس پر شہر آباد تھے، سدوم و عامورہ کی آبادیاں اسی مقام پر تھیں، یہ مقام شروع سے سمندر نہیں تھا؛ بلکہ جب قومِ لوط پر عذاب آیا اور اس سرزمین کا تختہ الٹ دیا گیا اور سخت زلزلے اور بھونچال آئے تب یہ زمین تقریباً چار سو میٹر سمندر سے نیچے چلی گئی اور پانی ابھر آیا؛ اسی لیے اس کا نام بحرِ میت اور بحرِ لوط ہے (بستانی ص: ۵۳، ج: ۹)

یہ صحیح ہو یا غلط بہر حال! یہ مسئلہ حقیقت رکھتا ہے کہ اسی بحرِ میت کے ساحل پر وہ حادثہ رونما ہوا جس میں قومِ لوط کی بستیوں کو ختم کر دیا گیا۔

حضرت لوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، ان کے والد کا نام ”ہاران“ تھا، حضرت لوط علیہ السلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زیرِ سایہ گزرا اور ان کی نشوونما حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی آغوشِ تربیت میں ہوئی؛ اسی لیے وہ اور حضرت سارہؑ ملّتِ ابراہیمیؑ کے پہلے مسلم اور السابقون الاولون میں داخل ہیں، ارشادِ خداوندی ہے:

فَأَمِّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: پھر لوط ان (ابراہیم علیہ السلام) پر ایمان لائے اور انھوں نے کہا کہ: میں

ہجرت کر کے میرے رب کی (بتائی ہوئی جگہ کی) طرف جا رہا ہوں، یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) بڑے زبردست ہیں، بڑے حکمت کے مالک ہیں۔ (العنکبوت)

حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بیوی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرتوں میں ہمیشہ ساتھ رہے ہیں اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر میں تھے تو اس وقت بھی یہ ہم سفر تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام سے مشورہ کیا اور دونوں کی صلاح سے یہ طے پایا کہ حضرت لوط علیہ السلام ہجرت کر کے شرقِ اردن کے علاقہ ”سدوم“ اور ”عامورہ“ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دینِ حنیف کی تبلیغ کرتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کا پیغام سناتے رہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم و تبلیغ کو سر بلند کریں۔

اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والی قوم لوط کی کچھ بڑی برائیاں جن

کو پڑھ کر ہم ان سے بچیں

حضرت لوط علیہ السلام نے جب سدوم میں آ کر قیام کیا تو دیکھا کہ یہاں کے باشندے فواحش اور معصیتوں میں اس قدر مبتلا ہیں کہ الامان والحفیظ! دنیا کی کوئی برائی ایسی نہیں تھی جو ان میں موجود نہ ہو اور کوئی خوبی ایسی نہیں تھی جو ان میں پائی جاتی ہو، دنیا کی سرکش، متمرّد اور بد اخلاق و بداطوار اقوام کے دوسرے عیوب و فواحش کے علاوہ یہ قوم ایک خبیث عمل کی موجد تھی؛ یعنی اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے عورتوں کے بجائے مرد لڑکوں سے اختلاط رکھتے تھے، دنیا کی قوموں میں اس عمل کا اس وقت تک بالکل کوئی رواج نہ تھا، یہی بد بخت قوم ہے جس نے اس ناپاک عمل کی ایجاد کی، اس عمل

کو اردو زبان میں ”لواطت“ کہا جاتا ہے۔

اس سے بھی زیادہ شرارت اور خباثت اور بے حیائی یہ تھی کہ وہ اپنی اس بدکرداری کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور علی الاعلان فخر و مباہات کے ساتھ اس کو کرتے رہتے تھے، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ أَيْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيَكُمُ الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اسْتِنَّا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿٢٩﴾ (العنکبوت)

ترجمہ: اور (ہم نے) لوط (علیہ السلام) کو (نبی بنا کر بھیجا) جب ان (لوط علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا کہ: حقیقت میں تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو جو تم سے پہلے تمام دنیا والوں میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس (خواہش پوری کرنے) جاتے ہو اور راستے میں ڈاکہ ڈالتے ہو اور تم تمھاری (بھری) مجلس میں برے کام کرتے ہو، سو ان (لوط علیہ السلام) کی قوم کا (آخری) جواب یہی تھا ”اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔“

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ أَيْنَكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿٥٥﴾ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنْفُسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٥٦﴾ (النمل)

ترجمہ: اور (ہم نے) لوط (علیہ السلام) کو (پیغمبر بنا کر بھیجا) تب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ: کیا تم کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی بے حیائی کے کام کرتے ہو؟ ﴿۵۴﴾ کیا تم لوگ اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر (لچا کر) جاتے ہو؛ بلکہ (حقیقت یہ ہے) تم لوگ جاہل ہی ہو ﴿۵۵﴾ سوان (لوط علیہ السلام) کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہیں تھا کہ وہ آپس میں یوں کہنے لگے: لوط کے (اوپر ایمان والے) لوگوں کو تم اپنی بستی سے نکال دو؛ کیوں کہ وہ بڑے پاک (صاف ستھرے) رہنا چاہتے ہیں ﴿۵۶﴾

مال لوٹنے کی عجیب چال بازی

عبدالوہاب نجار لکھتے ہیں کہ: میں نے عبرانی ادب کی ایک کتاب میں ان کی بعض بد اعمالیوں کا حال پڑھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سدوم کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ باہر سے آنے والے تاجروں اور سوداگروں کے مال کو ایک نئے اور اچھوتے انداز سے لوٹ لیا کرتے تھے، چنانچہ ان کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی سوداگر باہر سے آکر سدوم میں مقیم ہوتا تو اس کے مال کو دیکھنے کے بہانے سے ہر شخص تھوڑی تھوڑی چیزیں اٹھاتا اور لے کر چل دیتا اور تاجر بے چارہ حیران اور پریشان ہو کر رہ جاتا، اب اگر اس نے اپنے ضیاع مال کا شکوہ کیا اور رونے دھونے لگا تو ان لٹیروں میں سے ایک آتا اور لوٹی ہوئی دو ایک چیزیں دکھا کر کہنے لگتا کہ: بھائی میں تو یہ لے گیا تھا، لو! تمھاری یہ چیز موجود ہے۔ وہ رنجیدہ آواز میں کہتا کہ: میں اس کو کیا کروں گا جہاں میرا سارا مال لوٹ گیا وہاں یہ بھی سہی، جا تو ہی اپنے پاس رکھ لے۔

جب یہ معاملہ ختم ہو جاتا تو اب دوسرا آتا اور وہ بھی اسی طرح کوئی معمولی سی چیز دکھا کر وہی کہتا جو پہلے نے کہا تھا اور سوداگر رنج و غم اور غصہ میں اس سے بھی پہلی بات لوٹا کر کہہ دیتا، اسی طرح سب اس کا مال ہضم کر جاتے اور سوداگر کو لوٹ کھسوٹ کر بھگا دیتے۔

عجیب طرح کی نا انصافی

اسی کتاب میں یہ عجیب قصہ بھی نقل کیا ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ نے ایک مرتبہ حضرت لوط علیہ السلام کی عافیت و خیر معلوم کرنے کے لیے اپنے خالہ زاد ”العیرز دمشقی“ کو سدوم بھیجا، یہ جب بستی کے قریب پہنچا تو اجنبی سمجھ کر ایک سدومی نے اس کے سر پر پتھر مار دیا، العیرز کے سر سے خون جاری ہو گیا، تب آگے بڑھ کر سدومی کہنے لگا کہ: میرے پتھر کی وجہ سے یہ تیرا سر سرخ ہوا ہے، لہذا مجھے اس کا معاوضہ ادا کر، اس مطالبے کے لیے کھینچتا ہوا سدوم کی عدالت میں لے گیا، حاکم سدوم نے مدعی کا بیان سن کر کہا کہ: بیشک ”العیرز“ کو سدومی کے پتھر مارنے کی اجرت دینی چاہیے۔ العیرز یہ سن کر غصے میں آ گیا اور ایک پتھر اٹھا کر حاکم کے سر پر دے مارا اور کہنے لگا کہ: میرے پتھر مارنے کی جو اجرت ہے وہ تو اس سدومی کو دے دینا اور یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ گیا۔

یہ واقعات صحیح ہوں یا غلط؛ لیکن ان سے یہ روشنی ضرور پڑتی ہے کہ اہل سدوم اس قدر ظلم، فحش، بے حیائی، بد اخلاقی اور فسق و فجور میں مبتلا تھے کہ اس زمانے کی قوموں میں ان کی جانب اس قسم کے واقعات عام طور پر منسوب کیے جاتے تھے۔ (نقص

قوم لوط پر عذاب

جب قوم لوط اپنے گناہوں میں حد پار کر چکی تو اللہ تعالیٰ نے ان نافرمانوں کو زمین سمیت اٹھایا اور آسمان تک لے جا کر الٹا کر دیا۔

تفسیری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس پوری بستی کو - جو پانچ یا سات شہروں پر مشتمل تھی، جس کا مرکزی شہر ”سدوم“ تھا - اپنی انگلی کے ایک پوروے پر اٹھایا اور اتنا اونچا لے گئے کہ پہلی آسمان کے ملائکہ نے صبح کے وقت کے مرغوں کی آواز سنی، پھر وہاں سے الٹ دیا جس سے اس کی پوری آبادی زمین میں دب گئی اور اندر کا پانی اوپر آ گیا اور ایک سمندر کی شکل اختیار کر گیا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: پھر جب ہمارے (عذاب کا) حکم آ گیا تو ہم نے اس (زمین کو پلٹ کر) اس کے اوپر والے حصے کو نیچے والا حصہ کر دیا اور ہم نے اس (بستی) پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر مسلسل برسائے ﴿۸۲﴾ تمہارے رب کی طرف سے اس پر (خاص) نشان لگے ہوئے تھے اور وہ (بستیاں مکہ کے) ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہیں۔

بحر میت کی طرف

ہم وہاں سے روانہ ہوئے، کافی دیر چلنے کے بعد ہماری گاڑی نیچے کی طرف اترنا شروع ہوئی، جوں جوں ہماری گاڑی نیچے اتر رہی تھی کان اسی طرح سن ہوتا ہوا محسوس

ہور ہاتھ جیسے ہوائی جہاز کے اترتے وقت کان کی حالت ہوتی ہے۔
خیر! گاڑی آہستہ آہستہ نیچے اتری اور اس طرح کافی لمبا سفر کر کے ہم بحرِ میت پہنچے، مگر چوں کہ راستہ بہت اچھا اور کشادہ تھا، اس لیے سفر جلدی طے ہو گیا۔

افسوس! عذاب کی جگہ تفریح گاہ

ہم وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں! سینکڑوں لوگ وہاں تفریح کے لیے آئے ہوئے ہیں، اور اس بحرِ میت میں نہا کر لطف اندوز ہوتے ہیں، افسوس کا مقام ہے کہ اس عذاب والی جگہ کو بھی لوگوں نے تفریح گاہ بنا رکھا ہے، لوگ بحرِ میت کے کیچڑ کو اپنے بدن پر مل کر کافی دیر تک دھوپ میں بیٹھتے ہیں اور پھر بحرِ میت سے غسل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: بہت سی بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے۔

وہاں عالی شان سیون اسٹار ہوٹل اور سوئمنگ پل بنے ہوئے ہیں اور اب تو بحرِ میت کے کیچڑ سے بنے ہوئے صابون، مختلف قسم کی کریمیں دنیا کے بہت سے ملکوں کی بڑی بڑی دکانوں میں امتیازی طور پر اونچی قیمتوں میں بکتی ہے۔

افسوس! عبرت کے سامان کو لوگوں نے سامانِ عیش بنالیا، جب کہ قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نزولِ عذاب والی جگہوں سے جب گزرتو استغفار کی کثرت کے ساتھ جلدی سے گزر جاؤ۔

مجرموں کے نام لکھے ہوئے پتھر

ہم نے دیکھا کہ وہاں ساحل پر گول گول پتھر بہت ہیں، بتایا جاتا ہے کہ: یہ وہی پتھر ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نافرمان قوم پر پتھروں کی بارش

برسائی تھی:

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ مَّنْضُودٍ ﴿٨٢﴾ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ
وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ﴿٨٣﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس (بستی) پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر مسلسل برسائے ﴿۸۲﴾
تمہارے رب کی طرف سے اس پر (خاص) نشان لگے ہوئے تھے اور وہ (بستیاں مکہ
کے) ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہیں۔

اس پتھر پر نام بھی لکھا رہتا تھا کہ فلاں پتھر فلاں ظالم کو اور فلاں پتھر فلاں
نافرمان کو لگے گا، وہ پتھر بھی آج تک موجود ہے۔

آج بھی عذاب کے اثرات

خیر! حریمیت کا منظر کچھ عجیب سا لگتا ہے، آس پاس کے پہاڑ بھی کافی ڈراوے
لگتے ہیں، وہاں دل نہیں لگتا، یوں کہہ لیجیے کہ عذابِ خداوندی کے اثرات آج تک اس
سرزمین پر محسوس ہوتے ہیں، نیز اس پانی میں مینڈک، مچھلی، کیڑے وغیرہ کچھ زندہ
نہیں رہ سکتے۔

حضرت شعیب ؑ کے مزار کی طرف

حریمیت سے فراغت کے بعد ہماری اگلی منزل حضرت شعیب ؑ کا مزار تھی،
اور وہ مزار ”أیکہ“ (مدین) کی وادی میں ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے:

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَإِنَّهُمَا
لَبِئَامَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: اور پکی بات یہ ہے کہ ”اَیْکَہ“ والے بھی بڑے ظالم تھے ﴿۷۸﴾، ہم نے ان سے بھی انتقام لیا، یہ دونوں (حضرت لوطؑ اور ایکہ والوں کی) بستیاں کھلے عام راستے پر ہیں ﴿۷۹﴾

”ایکہ“ کہتے ہیں: گھنے جنگلوں کو، اردو میں ”بن“ کہتے ہیں۔ وہ پورا علاقہ آج تک جوں کا توں موجود ہے اور ایکہ کے جنگل میں ایک مسجد میں حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔

مدین اور اصحابِ ایکہ ایک ہیں یا الگ الگ؟

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ ”مدین“ اور ”اصحابِ ایکہ“ ایک ہی قبیلے کے دو نام ہیں یا دو جدا جدا قبیلے ہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ دونوں جدا جدا قبیلے ہیں، مدین متمدن اور شہری قبیلہ تھا اور ”اصحابِ ایکہ“ دیہاتی اور بدوی قبیلہ جو جنگل اور بن میں آباد تھا؛ اس لیے اس کو ”بن والا“ یا ”جنگل والا“ کہا گیا اور آیت ”انہما لبامام مبین“ میں ”ہما“ ضمیرِ تشنیہ سے یہی دونوں مراد ہیں۔

بعض مفسرین دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: آب و ہوا کی لطافت، نہروں اور آبشاروں کی کثرت نے اس مقام کو اس قدر شاداب اور پر فضا بنا دیا تھا اور یہاں میووں، پھلوں اور خوشبودار پھولوں کے اس قدر باغات اور چمن تھے کہ اگر ایک شخص آبادی سے باہر کھڑے ہو کر نظارہ کرتا تھا تو اس کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ نہایت خوب صورت اور شاداب گھنے درختوں کا ایک جھنڈ ہے، اسی وجہ سے قرآنِ عزیز نے

اس کو ”ایکہ“ کہہ کر تعارف کرایا۔

ان مفسرین میں سے حافظ عماد الدین ابن کثیر کا یہ خیال ہے کہ یہاں ”ایکہ“ نامی ایک درخت تھا، اہل قبیلہ چوں کہ اس کی پرستش کرتے تھے؛ لہذا اس کی نسبت سے مدین کو ”اصحاب ایکہ“ کہا گیا۔

نیز چوں کہ یہ نسبت نسبی نہ تھی؛ بلکہ مذہبی تھی؛ اس لیے جن آیات میں ان کو اس لقب سے یاد کیا گیا ہے ان میں حضرت شعیب ؑ کو ”اخوہم“ ان کا بھائی یا اسی قسم کے نسبی علاقے سے یاد نہیں کیا۔

البتہ جن آیات میں قوم شعیب کو مدین کہہ کر یاد کیا گیا ہے، ان میں حضرت شعیب ؑ کو بھی ان کے نسبی رشتے میں منسلک ظاہر کیا ہے۔

بہر حال! رائج یہی ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ ہے جو باپ کی نسبت سے مدین کہلایا اور زمین کی طبعی اور جغرافی حیثیت سے ”اصحاب ایکہ“ کے لقب سے مشہور ہوا۔

حضرت شعیب ؑ کی قبر

میں نے ابھی اوپر یہ بات ذکر کی کہ ایکہ کی ایک مسجد میں حضرت شعیب ؑ کا مزار بتایا جاتا ہے۔ جس کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔

اس لیے کہ اس سلسلے میں دوسری رائے یہ ہے کہ: ”حضرت موت“ میں ایک قبر ہے جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے، وہاں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ شعیب ؑ کی قبر ہے، حضرت شعیب ؑ مدین والوں کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے اور یہیں

ان کی وفات ہوئی۔

”حضر موت“ کے مشہور شہر ”شیون“ کے مغربی جانب میں ایک مقام ہے جس کو ”شہام“ کہتے ہیں، اس جگہ اگر کوئی مسافر وادی ابن علی کی راہ ہوتا ہوا شمال کی جانب چلے تو وادی کے بعد وہ جگہ آتی ہے جہاں یہ قبر ہے، یہاں مطلق کوئی آبادی نہیں ہے اور جو شخص بھی یہاں آتا ہے صرف زیارت ہی کے لیے آتا ہے۔

عبدالوہاب نجار کہتے ہیں کہ: مجھے اس قبر کے متعلق شک ہے کہ یہ حضرت شعیب ؑ کی قبر ہے؛ لیکن انھوں نے اس شک کے لیے کوئی وجہ نہیں بیان فرمائی۔

مدین

اسی ایکہ کے ایک طرف مدین ہے۔

ہم وہاں پہنچے تو میں نے ساتھیوں سے بتایا کہ: دیکھو! بعض تفسیری روایتوں کے مطابق حضرت شعیب ؑ وہ ہیں جن کی بیٹی سے حضرت موسیٰ ؑ کا نکاح ہوا تھا؛ اگرچہ بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کے خسر کوئی اور شیخ مدین ہیں۔

حضرت موسیٰ ؑ کے خسر کون ہیں؟

قرآن نے حضرت موسیٰ ؑ اور مدین کے شیخ کے بارے میں جو واقعات بیان کیے ہیں ان میں کسی ایک جگہ بھی اس شیخ کا نام نہیں بتایا؛ اس لیے تاریخی حیثیت سے شیخ مدین کے نام میں مؤرخین و مفسرین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① مفسرین، اصحاب سیر اور ادبائے عرب کی ایک بڑی جماعت کا یہ خیال ہے کہ

یہ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔

یہ قول بہت مشہور اور شائع ذائع ہے، مشہور مفسر امام جریر طبری نے حسن بصریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ مدین کے شیخ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ابن ابی حاتم نے سلسلہ سند کے ساتھ حضرت مالک بن انسؒ سے روایت نقل کی ہے کہ: ان کو یہ بات پہنچی ہے کہ صاحب موسیٰ حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ (ابن کثیر ص: ۲۳۸، ج: ۷)

۲) ایک جماعت کہتی ہے: شیخ کا نام ”یژون“ تھا اور یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے بھیجے تھے۔

طبری نے سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر بنایا وہ شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ یژون تھا۔ (ابن جریر ج: ۱، ص: ۲۰۶)

۳) بعض کہتے ہیں کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر کا نام ”یژری“ تھا۔

طبری نے سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اجیر رکھنے والا مدین کا شیخ ”یژری“ نامی تھا اور اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں ”عورت کے والد کا نام ”یژری“ تھا“؛ مگر یژری والی روایت میں یہ نہیں کہا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کا برادر زادہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر، جلد: ۷، ص: ۲۳۸)

۴) بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ: یہ ”شیخ“ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا ایک مردِ مؤمن تھا۔

۵) ایک جماعت کا گمان ہے کہ: حضرت شعیب علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے کا زمانہ ہے جس کے درمیان صدیاں ہیں، قرآن کہتا ہے کہ: حضرت

شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَيَقَوْمٍ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ
نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمٌ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿٢٣٨﴾

ترجمہ: اور اے میری قوم! میرے ساتھ جو تم کو مخالفت (ضد) ہے وہ تم کو ایسے (برے کاموں کی طرف نہ لے جاوے) جس کے نتیجے میں تم پر بھی اسی طرح کی مصیبت آپڑے جیسی نوح کی قوم یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر آپڑی تھی اور لوط کی قوم (کا زمانہ اور علاقہ) تم سے زیادہ دور (بھی) نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ قوم لوط کی ہلاکت کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ان کے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے درمیانی مدت چار سو (400) سال سے بھی زیادہ ہے اور جن لوگوں نے اس مدت کو قریب کر دینے کے لیے کہا کہ: حضرت شعیب علیہ السلام کی عمر غیر معمولی طور پر طویل ہوئی تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ (ابن کثیر: ۷/ ۲۳۸)

اس قول کی تائید کے لیے یہ دلیل بھی قوت رکھتی ہے کہ: اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام ہوتے تو قرآن ضرور ان کے نام کی تصریح کرتا اور اس طرح مجمل اور مبہم نہ چھوڑتا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷/ ۲۳۸)

ان مختلف پانچ اقوال کے نقل کے بعد ہمارے نزدیک رائج اور صحیح مسلک وہی معلوم ہوتا ہے جو ابن جریر اور ابن کثیر جیسے جلیل القدر محدثین و مفسرین نے اختیار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: نام کی تصریح کے بارے میں کوئی روایت صحت کو نہیں پہنچتی اور جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ قابل احتجاج نہیں ہیں؛ اس لیے جس طرح تصریح کیے بغیر قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے اسی طرح ہم بھی ان کے نام کی تصریح کو خدا کے علم کے

حوالے کر دیں۔

مدین جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال گزارے

بہر حال: یہی وہ مدین ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام دس سال گزارے، یہ جگہ اس وقت سعودی عرب کے شہر تبوک کے مغرب میں واقع ہے۔ جس جگہ بنی مدیان (قوم شعیب) آباد تھے وہ جگہ آج کل ”البدع“ کے نام سے مشہور ہے؛ اگرچہ ”مدین“ کی تعیین میں اور بھی اقوال ہیں۔

قرآن میں مدین کا ذکر

قرآن میں مدین کا ذکر دو سبب سے آتا ہے: اول حضرت شعیب علیہ السلام اور دوم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق سے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلق کی حسب ذیل آیتیں ہیں:

فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يٰمُوسَىٰ ﴿٢١﴾ (طہ)

ترجمہ: پھر تم (کئی) سال مدین والوں میں رہے، پھر تم اے موسیٰ! مقدر سے (یعنی تقدیر کے فیصلے کے مطابق یہاں) آئے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَن يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿٢٢﴾
وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْكُنُونَ. (التقص: ۲۳)

ترجمہ: اور جب ان (موسیٰ) نے مدین کی جانب رخ کیا تو (موسیٰ علیہ السلام نے دعا میں) کہا: امید ہے کہ میرے رب مجھے سیدھے راستے پر لے جاویں گے ﴿۲۲﴾ اور جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو لوگوں کے ایک مجمع کو دیکھا کہ

(کنویں سے پانی کھینچ کر اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔

چنانچہ یہ پورا علاقہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دس سال قیام فرمایا تھا جس کا کچھ حصہ ہم نے دیکھا، جس جگہ وہ کنواں ہے وہ اسرائیل کے قبضے والے علاقے میں بتایا جاتا ہے اور نشیبی جگہ میں ہے، اس وقت تو اتر کر جانے میں بھی ڈر لگتا ہے، جب ہم نے یہ سنا تو ہم سوچنے لگے: کیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہاں پہنچ کر لڑکیوں کو پانی پلایا ہوگا؟ اس سلسلے میں مفصل واقعے کے لیے بندے کی کتاب خطبات محمود: حصہ اول ملاحظہ فرمائیے۔

بہر حال! حضرت شعیب علیہ السلام کے مزار اور اطراف کی زیارت سے فارغ ہوئے تو رات ہو چکی تھی، آرام کا شدید تقاضہ تھا اور آئندہ کل فلسطین جانا تھا جو اس سفر کا اہم مقصد تھا، چنانچہ ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے، اس طرح دوسرے دن کی زیارت کا سلسلہ بھی اللہ کے فضل سے عافیت کے ساتھ پورا ہوا۔

فلسطین

اب میں سفر کے تیسرے دن کی کارگزاری شروع کرتا ہوں؛ مگر اس سے پہلے فلسطین اور اس کے ساتھ وابستہ ہماری داستان کا تذکرہ مناسب سمجھتا ہوں۔
فلسطین کا علاقہ وہ ہے جس کو قرآن کریم میں ارض مقدسہ، ارض مبارکہ وغیرہ ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔

فلسطین کا قضیہ

فلسطین روئے زمین کا وہ ٹکڑا ہے جو تاریخی، جغرافیائی اور مذہبی ہر اعتبار سے

تاریخ ساز اہمیت کا حامل ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے ماڈی اور روحانی برکات سے مالا مال فرمایا ہے، کئی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام اس سرزمین میں مبعوث ہوئے، اپنی جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف فاتحین کی جنگ آزمائی کا میدان بھی رہا۔ یہاں کی سرزمین نے زمانے کے اتنے اتار چڑھاؤ دیکھے ہیں جو کم ہی کہیں اور دیکھنے میں آئے ہوں گے۔

مشہور ہے کہ یہ قدیم دور سے انسانی تہذیب کا مرکز ہے۔ جب یہاں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی تو یہ بنی اسرائیل کے عروج کا زمانہ تھا، ان برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کے بعد یہودیوں کی نافرمانیوں کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف فاتحین کو مسلط کیا جنہوں نے ان کو عبرتناک طریقے سے قتل کیا، غلام بنایا اور باقی ماندہ کو یہاں سے جلا وطن کر دیا، کسی قوم کی ایسی اجتماعی رسوائی اور وطن سے محرومی کم ہی دیکھنے میں آئی ہے۔

قرآن مجید کے مطابق یہ درحقیقت عذاب الہی تھا جو اس کم فطرت قوم کی شرارتوں پر ان پر بھیجا گیا تھا۔

عراق، فارس اور روم کے بادشاہ یہودیوں کی بد اعمالی کی سزا کے طور پر ان کو تاراج کرتے رہے؛ مگر زیادہ مشہور بخت نصر کے حملے ہیں۔ (اقصی کے آنسو: ص: ۷۳)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت یہودیوں کے لیے آخری تنبیہ اور آسمانی حجت تھی؛ مگر یہودی قوم نے ان کے ساتھ کافی بد سلوکی کی جس کی وجہ سے طویل رسوائی اور بربادی ان کا مقدر بن گئی اور ان پر ذلت کی مہر ثبت ہو گئی۔

اُس وقت سے آج تک یہ دنیا میں مارے مارے پھرتے تھے، زمین کا کوئی ٹکڑا

ان کو پناہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا، ان کے مختلف قبائل دنیا کے مختلف حصوں میں بکھر گئے؛ لیکن خدا تعالیٰ کی طرف سے پھٹکار کے باعث انھیں کوئی جگہ راس نہ آتی تھی اور یہ اپنی بد فطرتی کے سبب دنیا کی مختلف قوموں سے مار کھاتے، ذلت اٹھاتے اور عبرت کا نشان بنتے رہے؛ تا آں کہ گذشتہ صدی میں یہ سانحہ پیش آیا کہ: یہ مغضوب علیہم قوم کئی صدیوں بعد اپنے لیے ایک مملکت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

مسلمانوں کے لیے اس میں رنج اور غصہ کی بات یہ ہے کہ یہودی ریاست کے لیے مسلم ممالک کی سرزمین چنی گئی اور ہنستے بستے مسلمانوں کو بے دخل کر کے وہاں دنیا بھر کے یہودیوں کو لا بسایا گیا، اس غرض کے لیے عالمی طاقتوں کے تعاون سے بدینیتی، بددیانتی اور دھوکہ، فریب پر مشتمل ایسی چالیں چلی گئیں جن کے تذکرے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ (ایضاً: ۷۴)

فلسطین پر یہودیوں کا قبضہ کس طرح ہوا؟

ارض مقدس ”فلسطین“ یہودیوں کے تسلط میں کس طرح چلی گئی؟

اس دردناک داستان کی تفصیل کچھ یوں ہے: مسلمانوں نے جب ۱۶ھ مطابق ۶۳۶ء میں انجیل کی پیش گوئی کے مطابق فلسطین فتح کر لیا تو اس کے بعد یہ طویل عرصے تک مسلمانوں کے پاس رہا اور انھوں نے یہاں شان دار علمی و تہذیبی ورثہ چھوڑا۔

بارہویں صدی عیسوی میں اہل یورپ نے اسے مسلمانوں سے چھیننے کے لیے مشہور صلیبی جنگیں لڑیں اور ایک مرتبہ وہ کامیاب بھی ہو گئے؛ مگر فرزند اسلام سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے انھیں زبردست معرکہ آرائی کے بعد یہاں سے نکال باہر کیا اور

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یہ وراثت مسلمانوں کے پاس رہی۔

فلسطین ترکوں کی عمل داری میں

۱۲۲۲ھ مطابق ۱۵۱۶ء میں فلسطین ترکوں کی عمل داری میں آ گیا اور پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک سلطنت عثمانیہ کا حصہ رہا، سلطنت عثمانیہ کے زوال کے دنوں میں صہیونی لیڈروں کا ایک اجلاس ہوا، آخری عثمانی خلیفہ سلطان عبد المجید خان تھے، یہودیوں نے فلسطین پر ان کی کمزور پڑتی گرفت کے سبب مذکورہ بالا اجلاس میں طے کر لیا تھا کہ فلسطین میں صہیونی ریاست تشکیل دینی ہے؛ اس لیے انھوں پہلے مال و دولت کے ذریعے اپنا کام نکالنے کی کوشش کی۔

سلطنت عثمانیہ غیر ضروری اخراجات کے سبب مقروض ہو چکی تھی، یہودیوں نے سلطان کو پیش کش کی کہ اگر وہ فلسطین کا علاقہ ان کے حوالے کر دیں تو وہ نہ صرف یہ کہ سلطنت پر چڑھا ہوا سارا قرض چکا دیں گے؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی کثیر مقدار میں سونا پیش کریں گے۔

سلطنت عثمانیہ کی حمیت و غیرت ایمانی: تاریخی جواب

عثمانی سلطان کیسے ہی سہی؛ مگر ان کی رگوں میں فاتحین کا خون دوڑ رہا تھا، انھوں نے اپنے پاؤں کے ناخن سے مٹی کھرچی اور یہودیوں کو جواب دیتے ہوئے یہ تاریخی الفاظ کہے:

اگر تم اپنا سارا مال و دولت لا کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دو تب بھی میں فلسطین کی اتنی مٹی بھی نہ دوں گا۔

یعنی ایک کلومیٹر کا رقبہ تو کیا ایک ایک مٹھی مٹی بھی نہ دوں گا۔

یہودیوں کا انگریزوں سے معاہدہ

یہودیوں نے مایوس ہو کر کسی عالمی طاقت کو اپنا ہمنوا بنا کر اس کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش شروع کی، قرآن کریم کی پیش گوئی ہے کہ یہودی کسی طاقت کا سہارا ضرور ڈھونڈتے ہیں، محض اپنے زور بازو پر کچھ کرنے کے قابل نہیں۔

اس زمانے میں پہلی جنگ عظیم جاری تھی، امریکہ اور برطانیہ اتحادی طاقتوں کے سربراہ تھے، برطانیہ کو مختلف محاذوں پر جنگ کا سامنا ہونے کی وجہ سے سرمائے کی شدید ضرورت تھی، یہودیوں نے برطانیہ کی مدد کے لیے اپنی تجویزوں کے منہ کھول دیے اور اس کے عوض انگریزوں سے وعدہ لیا کہ جنگ میں کامیابی کے بعد فلسطین کی حدود میں یہودی ریاست کے قیام میں مدد دی جائے گی۔

انگریز کی طرف سے یہودی ریاست کی تشکیل کا اعلان

جنگ کے اختتام پر جب انگریزوں کو فتح ہوئی تو یہودیوں کی دیرینہ مراد برآئی۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو برطانیہ کے وزیر خارجہ مسٹر بالفور (balfor) نے برطانیہ میں مقیم یہودیوں کی فیڈریشن کے چیئرمین لارڈ شیلڈ کے نام ایک خط روانہ کیا جس میں صہیونی ریاست کی تشکیل کا ذمہ لیتے ہوئے کہا گیا تھا:

ہر مجسٹی حکومت فلسطین میں یہودی عوام کے لیے ایک قومی وطن کے قیام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور اس مقصد کو آسان بنانے کے لیے اپنی بہترین کوششیں صرف کرے گی۔

قصہ مختصر! جنگِ عظیم میں اتحادیوں کی کامیابی کے بعد انگریز ۱۹۱۷ء میں ”جنرل ایلن بی“ کی قیادت میں فلسطین میں داخل ہو گئے اور ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو انھوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا، ترکی اور جرمن فوجیں شام کی طرف ہٹ گئیں اور اس دن سے فلسطین کی حکومت انگریزوں کے پاس آ گئی۔ (ایضاً: ۷۶)

انگریز نے صرف اس وعدہ خلافی اور دغا بازی پر بس نہیں کی؛ بلکہ اپنی نگرانی میں صہیونی مقاصد کی تکمیل کا عمل زور و شور سے جاری رکھا، اس کے لیے اس نے دو باتوں پر زور دیا:

① ایک تو یہ کہ اسرائیل کو آبادی اور وسائل کے لحاظ سے مضبوط کیا جائے۔

مسلمانوں سے زمینیں خریدنے میں پانی کی طرح پیسہ بہانا

② یہودی چوں کہ فلسطین میں نہایت قلیل تعداد میں تھے؛ اس لیے غیر محسوس طور پر منصوبہ شروع کیا گیا کہ فلسطینی مسلمانوں کے مکانات اور جائیدادیں خریدی جائیں اور دنیا بھر سے یہودیوں کو لا کر یہاں بسایا جائے، اس غرض کے لیے یہودیوں کی تنظیمیں اور سرمایہ دار یہودی سرگرم ہو گئے اور فلسطینی مسلمانوں کی جائیدادیں خریدنے کے لیے پانی کی طرح پیسہ بہایا گیا۔

مقامی علما کی مخالفت اور دیگر ممالک کے علما سے فتویٰ طلب کرنا

مقامی علمائے کرام نے اس کی سختی سے مخالفت کی اور مسلم عوام کو منع کیا کہ: یہودیوں کے ہاتھوں مکانات اور زمینیں ہرگز فروخت نہ کریں، اس غرض کے لیے انھوں نے ساری دنیا کے سربراہان اور وہ علمائے کرام و مفتیان حضرات سے فتاویٰ طلب

کیے، ان سب حضرات نے اس امر کو ناجائز اور حرام بتلایا۔

اس سلسلے کا ایک فتویٰ برصغیر کی مشہور علمی اور روحانی شخصیت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے بھی لیا گیا، آپ نے بھی عدم جواز کا فتویٰ دیا، اصل فتویٰ عربی میں ہے جس کا اردو ترجمہ امداد الفتاویٰ میں موجود ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عالم اسلام میں علمائے دیوبند کا کیا مقام تھا کہ حضرت تھانویؒ سے بھی فتویٰ طلب کیا گیا۔

مگر افسوس اس وقت کچھ تو عوام کی غفلت تھی، کچھ مسلمانوں کا غربت و افلاس اور کچھ یہودیوں کی مکاری کہ علمائے کرام کے سختی سے منع کرنے کے باوجود مقامی آبادی سے زمینیں خرید خرید کر یہود اپنے پاؤں جماتے گئے اور دھیرے دھیرے انبیاء علیہم السلام کی اس مقدس سرزمین میں روس، یورپ اور افریقہ سے آئے ہوئے یہودی آباد ہوتے گئے۔ خیر! تیسرے دن یعنی ۱۲ تاریخ سنیچر کو ہمیں فلسطین جانا تھا اور فلسطین جانے کے لیے اسرائیل کے بارڈر کو پار کرنا تھا؛ چنانچہ آج پھر ہم صبح سویرے نکل پڑے۔

جورڈن کی موجودہ دینی حالت اور اس تبدیلی کی اہم وجہ

ہمارے گائڈ بہت دین دار آدمی تھے اور اس دن وہ ۱۵ شعبان کا روزہ رکھے ہوئے تھے، راستے میں میں نے ان سے ایک سوال کیا کہ:

ہمارے اس سفر سے ٹھیک دس سال پہلے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ یہاں تشریف لائے تھے، انھوں نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے کہ جورڈن کے مسلمانوں میں بہت دین داری ہے، مردوں میں ڈاڑھی کا عام رواج ہے، عورتوں میں برقعے اور

پردے کا عام چلن ہے، مسجدیں مصلیوں سے بھری رہتی ہیں؛ لیکن ہمیں تو کچھ نظر نہیں آرہا ہے، کیا بات ہے؟

یہاں نہ تو پردہ ہے، نہ ڈاڑھی؛ بلکہ مغربی تہذیب (Western Culture) ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

گائڈ صاحب نے تھوڑا سوچا، پھر فرمایا: شیخ! مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے صحیح لکھا ہے، پہلے یہ سب تھا؛ مگر جس دن سے ہمارے ملک میں موبائل اور انٹرنیٹ آیا ان دونوں چیزوں نے ہمارے ملک سے دین داری کو ختم کر دیا، غرض یہ کہ انٹرنیٹ اور موبائل کے غلط استعمال نے ہمارے یہاں کی دین داری کو مجروح کر دیا ہے، یہ دو بڑے فتنے ہیں جنہوں نے آکر ہماری عورتوں کو بے پردہ اور ہمارے مردوں کو بے نمازی کر دیا ہے۔

ایک درد بھری اپیل: خدا را موبائل اور انٹرنیٹ کے

غلط استعمال سے اپنے آپ کو بچائیے!

موقع کی مناسبت سے ایک بار پھر میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے عموماً اور میرے نوجوان دوستوں اور ساتھیوں سے خصوصاً عرض کروں گا کہ ماحول اور معاشرے کو خراب کرنے اور بے حیائی کو عام کرنے میں موبائل اور انٹرنیٹ نے جو کردار اور رول ادا کیا اور کر رہے ہیں اس سے بڑا کردار کسی کا نہیں ہے، اچھے اچھے لوگ بڑے متقی پرہیزگار تھے، پکے نمازی تھے؛ لیکن جب ان کے ہاتھ میں موبائل آیا تو شروع شروع میں تو ان کی نیتوں میں کسی قسم کی خرابی نہ تھی، اس کا استعمال بھی صحیح نہج پر ہو رہا تھا؛ مگر

جوں جوں وقت گزرتا گیا موبائل نے ان کے دلوں پر قبضہ جمانا شروع کیا اور فکری غفلت میں مبتلا ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ تلاوت قرآن، نماز وغیرہ سب ہی چھوٹ گئے۔

ہر وقت فلمی گانوں، بلیو فلم، اور فاحش تصویریں اور کچھ نہیں تو گیم کھیلنے میں گھنٹوں اپنا قیمتی وقت ضائع اور برباد کر دیتے ہیں، یہ برا کام تو تھا ہی، باطل نے اس میں بھی ملمع سازی کر کے گیم بھی جوئے والی بنا کر کر یلا اور نیم چڑا کا مصداق بنا دیا اور ان چیزوں میں ہمارا جوان اتنا مشغول ہوا کہ یہی چیزیں ہر وقت دماغ میں گردش کرتی رہتی ہیں اور دین کی کوئی بات دل و دماغ میں اترتی ہی نہیں۔

بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ العیاذ باللہ! آدمی ایمان جیسی قیمتی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے؛ اس لیے سب مسلمان بھائیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ خدا را موبائل کے غلط استعمال سے بچو اور ہر وقت اپنا محاسبہ بھی کرتے رہو کہ کہیں ان چیزوں میں مشغول ہو کر ہم اپنا دین تو برباد نہیں کر رہے ہیں، ساتھ میں ہر وقت اللہ سے دعا کرتے رہو کہ اللہ موبائل اور انٹرنیٹ کے فتنے سے ہماری حفاظت فرمائیں۔

بہر حال! ہم اردن سے نکل کر فلسطین کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے، درمیان میں ایک پل ہے جو اردن اور فلسطین کے لیے حدِ فاصل ہے اور نہر اردن پر بندھا ہوا ہے، نہر کو اردن میں دریا بھی کہہ دیتے ہیں۔

نہر اردن

نہر اردن ۱۰ یا ۱۲ فٹ چوڑی اور لمبائی میں ۱۹۳ کلومیٹر کی علاقے میں پھیلی ہوئی

ہے، اس کا کچھ حصہ کنعان اور کچھ حصہ فلسطین اور سوریہ میں ہے، یہ وہی مبارک نہر ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے:

① سورہ آل عمران میں جہاں حضرت طالوت کے عمالقمہ کے ساتھ جہاد کا واقعہ بیان ہوا ہے:

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ. (البقرة)

ترجمہ: پھر جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے تو اس (طالوت) نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والے ہیں، سو جو شخص بھی اس (دریا) سے (پانی) پیے گا تو وہ میرے (ساتھیوں) میں سے نہیں ہے اور جو اس (پانی) کو چکھے گا بھی نہیں تو وہ میرا (یعنی میری جماعت کا آدمی) ہے، ہاں! جو اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر کے پی لیوے (تو اتنی اجازت ہے) پھر (ایسا ہوا کہ) ان میں سے چند آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس (دریا) سے (خوب) پانی پیا۔

اس میں جس ندی کا ذکر ہے وہ بہت سارے مفسرین کے نزدیک نہر اردن ہی ہے، جسے ہم عبور کر رہے تھے۔

② دوسری جگہ قرآن میں اس ندی کا ذکر سورہ روم میں ہے:

الَّذِينَ ظَلَمُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَصْلُهُمْ فِي الْأَرْضِ ۚ وَالْأَرْضُ لِلَّهِ ۚ يَتَوَكَّلُ عَلَىٰ رَبِّهِ ۚ سَيُغْلِبُونَ ۖ (الرّوم)

ترجمہ: الم ﴿۱﴾ (حجاز کے) قریب کے ملک میں رومی لوگ ہار گئے ﴿۲﴾ اور وہ (اس) ہار جانے کے بعد عنقریب غالب آجائیں گے۔

اس جگہ بھی بعض مفسرین حضرات نے صراحت کی ہے کہ ”أَذْنَى الْأَرْضِ“ سے مراد یہی نہر اردن کا کنارہ ہے۔

تفسیر پڑھاتے وقت جب اس آیت کا ذکر آتا تو ہم سمجھتے تھے یہ کوئی بہت بڑی ندی ہوگی جس کا ذکر قرآن میں ہے؛ لیکن آج معلوم ہوا کہ یہ تو بہت چھوٹی ہے؛ مگر کتنی متبرک ہے!

﴿۳﴾ اس ندی کا تیسرا تذکرہ قرآن میں اس جگہ ہے جہاں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ ذکر ہے کہ ان کی پرورش کے بارے میں مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کے علما کا آپس میں اختلاف ہوا کہ کون مریم کی پرورش کرے؟

انھوں نے اپنا قلم ندی میں ڈال کر قرعہ اندازی کی کہ جس کا قلم ندی میں الٹی سمت میں بہے گا یا پانی پر تیرتا رہے نہ ڈوبے وہی پرورش کا ذمہ دار بنے گا، چنانچہ انھوں نے اسی ندی میں اپنے قلم - جو تانبے کے تھے اور اس سے وہ تورات لکھتے تھے - ڈال کر قرعہ اندازی کی تھی:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۴﴾ (آل عمران)

ترجمہ: اور تم ان لوگوں کے پاس (اس وقت) موجود نہیں تھے جب وہ (بیت المقدس کے اس دور کے علما) اپنے قلموں کو (دریا میں) ڈال رہے تھے، (اپنی اس بات کو طے کرنے کے لیے) کہ ان سب میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور تم اس

وقت بھی ان کے پاس موجود نہیں تھے جب وہ (اس پرورش کے معاملے میں) آپس میں (قلم کے ذریعہ قرعہ ڈالنے سے پہلے) بحث کر رہے تھے۔

میں نے گائڈ سے کہا کہ: ہمیں اس ندی کا پانی پینا ہے، اس کا ذکر تو قرآن مجید میں آیا ہے۔

اس نے کہا: اسرائیل کے سیکوریٹ والے آپ کو نیچے اترنے نہیں دیں گے، البتہ! میں گاڑی رُکوا دیتا ہوں، آپ اندر بیٹھے بیٹھے اس کی زیارت کر لیں، ہاں! آگے ایک موقع آئے گا جہاں آپ اس ندی کو اطمینان سے دیکھ بھی سکیں گے اور اس کا پانی بھی پی سکیں گے۔

بہر حال! ہم اس مبارک ندی کی زیارت کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ دریائے اُردن کی وادی مختلف اقوام اور تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے، اسی کے کنارے پر سینکڑوں انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے، اس کے مغربی کنارے سے فلسطین کا علاقہ شروع ہوتا ہے جسے قرآن کریم نے ارض مقدسہ، ارض مبارکہ وغیرہ ناموں سے تعبیر فرمایا ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا

جہاں سے فلسطین شروع ہوتا ہے وہیں اسرائیل کی حکومت کی جانب سے بارڈر سیکوریٹی فورس اور آرمی متعین ہے اور وہی لوگ کسٹم امیگریشن بھی کرتے ہیں، چیکنگ بھی وہی لوگ کرتے ہیں، ہمیں ساتھیوں نے بتایا تھا کہ: بہت سخت چیکنگ ہوتی ہے اور بہت مشکل امیگریشن ہوتا ہے؛ لیکن خدا کے فضل سے ایسی مدد آئی کہ ساتھی حیران رہ

گئے، بہت آسانی سے ساری کارروائی مکمل ہو گئی، الحمد للہ! اس وقت ہمارے ترانہ ہندی کا مصرعہ ”سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا“ بھی خوب یاد آیا۔

بات یہ ہوئی کہ جب امیگریشن کرنے والی یہودی لڑکی نے میرے پاسپورٹ کو دیکھا کہ یہ انڈیا کا ہے تو وہ ہمیں مانوس کرنے کے لیے کہنے لگی: نمستے نمستے، انڈیا انڈیا؟ میں نے بھی کہا: YES I AM FROM INDIA، اس نے خوش خوشی ہماری کارروائی پوری کی اور ایک بیگ بھی نہیں کھلوائی۔

جب ہم بارڈر پار کر کے حدودِ فلسطین میں داخل ہوئے تو ٹور آپریٹر کی جو گاڑی ہمیں لینے آئی ہوئی تھی اس کا گانڈ - جو عربی شخص تھا - بہت خوش ہو کر ہم سے ملا اور پہلے تو اس نے عربی میں ہمیں مبارک بادی دی کہ: آپ لوگ خوش قسمت ہیں جو اتنی جلد یہاں کی کارروائیوں سے فارغ ہو گئے؛ ورنہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں آنے والے مہمانوں کے انتظار میں صبح سے شام تک بیٹھا رہتا ہوں اور کارروائی پوری نہیں ہوتی۔

بہر حال! ہم عافیت کے ساتھ آگے نکل گئے، اللہ تعالیٰ آخرت کے امیگریشن کی سختی سے بھی نجات عطا فرماویں، آمین۔

آگے نئے گانڈ صاحب آگئے، میں نے ان سے پوچھا: پہلے کہاں جانا ہے؟ وہ کہنے لگے کہ: ہمیں پہلے ”شہراریحہ“ جانا ہے۔

میں نے کہا: واہ واہ! اریحہ کا نام سن کر ایمان تازہ ہو گیا۔

شہراریحہ کا تعارف

اریحہ کا معنی ہے ”خوشبو“، انگریزی میں اس کو ”جیریکو“ کہتے ہیں، اریحہ یہ دنیا کے

قدیم شہروں میں سے ایک ہے، ۶۰۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آیا اور پچھلے ۱۰،۰۰۰ سال سے آباد ہے۔ تاریخ کی بہت ساری باتیں اس اریحہ شہر سے وابستہ ہیں:
بعض تفسیری روایت کے مطابق حضرت الیاس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے جانے سے قبل یہاں آئے تھے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک چلہ یعنی چالیس دن اریحہ شہر کے ایک پہاڑ کے غار میں گزارے تھے، وہ غار ابھی بھی موجود ہے۔

حال میں جیریکو کے قریب ”سلمان کی پہاڑی“ نامی بستی دریافت ہوئی ہے، جس کے بارے میں ماہرین آثارِ قدیمہ کا کہنا ہے کہ: یہ دو ہزار سال پرانی بستی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس بستی کو بھی ضرور دیکھا ہوگا۔

یہی وہ جگہ ہے جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے نابینا کو خدا کے حکم سے بینائی بخشی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اندھوں اور برص والوں کو تندرست اور مُردوں کو زندگی بخشنے کا ذکر قرآن حکیم میں موجود ہے، اللہ رب العزت قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:
وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي.

ترجمہ: اور ماں کے پیٹ سے جو اندھا اور کوڑھ والا ہو اس کو تو میرے حکم سے اچھا کر دیتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مُردوں کو (زندہ) نکالتا تھا۔ (البائدة)

آپ ﷺ کا لعابِ دہن ہر بیماری کے لیے شفا

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تین مرضوں کے ازالے کی قوت دی گئی تھی؛ مگر حضور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کا لعاب

دہن ہر مرض اور ہر بیماری کے لیے فوری شفا ہے۔

ملکِ شام کی برکت کا نظارہ

بہر حال! ہم اریحہ پہنچے، ایک فلسطینی بھائی کی دکان سے ڈھیر سارے فروٹ خریدے، یہاں پہنچ کر ملکِ شام کی برکتوں کا نظارہ شروع ہو گیا، تازہ پھل فروٹ اور خشک میوے بہت ہی بڑی مقدار میں اس دکان میں بک رہے تھے جس سے بے اختیار ذہن بار بار ”الذی بار کنا حوله“ کی طرف منتقل ہو رہا تھا۔
میں نے ساتھیوں سے کہا: جلدی چلو! مجھے تو مسجدِ اقصیٰ پہنچنے کی بے چینی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار

گانڈ نے کہا: پہلے ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزار کی زیارت کرنا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً پانچ سو پینسٹھ (۵۶۵) سال کا فاصلہ ہے۔ (از سیرت خاتم الانبیا)
تقریباً ۴۰۰۰ سال قبل مصر کے شہر ”طیبہ“ میں۔ جس کا قدیم نام ”تھیس“ ہے، جسے آج کل ”الاقصر“ کہا جاتا ہے۔ پیدا ہوئے۔
آپ کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن عمران بن قامت بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔

چوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی جا ملتا ہے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے؛ اسی لیے آپ کا شمار بنی

اسرائیل میں ہوتا ہے۔

تورات اور تاریخی روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی عمر پائی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام مبارک قرآن میں ایک سو چھتیس (۱۳۶) مرتبہ آیا ہے۔

مقام موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ شبِ معراج میں آپ ﷺ ان کی قبر کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ آپ علیہ السلام لال رنگ کے ٹیلے کے پاس قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وصال سے پہلے اللہ سے دعا کی تھی کہ: مجھے بیت المقدس سے قریب کر دے اگرچہ پھینکے ہوئے پتھر کے بقدر ہو۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ: اگر میں بیت المقدس کے قریب ہوتا تو تمہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا (نشان) دکھا دیتا جو ایک راستے کے کنارے پر سرخ ٹیلے کے قریب ہے۔ (بخاری، باب من احب الدفن فی الارض المقدسة او نحوها، رقم الحدیث: ۱۳۳۹)

ضیاء مقدسی کہتے ہیں کہ: اریحہ میں سرخ ٹیلہ کے قریب ایک قبر ہے جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر بتایا جاتا ہے، دوسرے تاریخی اقوال کے مقابلے میں یہ قول صحیح ہے؛ اس لیے کہ تیبہ کے سب سے قریب وادی مقدس کا علاقہ اریحہ کی بستی ہے اور اسی جگہ وہ

کثیبِ احمر (سرخ ٹیلہ) واقع ہے جس کا ذکر حدیث میں ہے (نقص: ۵۴۹/۱) واقعاً یہاں پہنچ کر حدیث شریف کی یہ دونوں نشانیاں دیکھنے کو ملی، اور آقا حضرت محمد ﷺ پر ایمان مزید تازہ ہو گیا، لال لال رنگ کے ٹیلے اور راستے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد جو سلطان صلاح الدین ایوبی نے بنوائی تھی، اسی مسجد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر مبارک ہے۔

عداوت کی وجہ سے اس جگہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا انکار

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہودیوں کی یہاں کثرت ہو؛ مگر وہ لوگ اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزار تسلیم نہیں کرتے۔

پوچھنے پر بتلایا گیا کہ: حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کی علامات بتلائی ہیں اور وہ یہاں بوجہ اتم پائی جا رہی ہیں؛ مگر یہودیوں نے حضور ﷺ سے پرانی عداوت میں اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر کا ہی انکار کر دیا، اسی وجہ سے وہ یہاں نہیں آتے۔

یہاں پہنچ کر میں نے ساتھیوں کو یاد دلایا کہ: تمہیں معلوم ہے تم کہاں ہو؟ ایسے جلیل القدر پیغمبر کے مزار پر ہوجن کا ذکر قرآن کریم کے ۲۸ پاروں میں آیا ہوا ہے، پارہ چودہ (۱۴) اور انتیس (۲۹) کے علاوہ پورے قرآن میں جا بجا آپ کا تذکرہ پھیلا ہوا ہے۔

گجراتی میں بات کرنے کا فائدہ

قبر کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور جالی کے باہر سے قبر کی زیارت آسانی سے ہو سکتی ہے، عام زائرین کے لیے تو یہی دستور ہے؛ مگر یہاں بھی اللہ تعالیٰ کا

فضل شامل حال رہا، ہوا یہ کہ انگلینڈ سے وی آئی پی (V.I.P) حضرات کا ایک گروپ زیارت کے لیے پہنچا ہوا تھا اور ان حضرات کے لیے جالی کا تالا کھولا جانا تھا، ہم لوگ آپس میں گجراتی زبان میں باتیں کر رہے تھے، میں نے اپنے تمام ساتھیوں سے پہلے ہی کہہ رکھا تھا کہ: ہر جگہ گجراتی زبان میں باتیں کیا کریں؛ کیوں کہ دوسری زبانوں کو سمجھنے والا ممکن ہے ہر جگہ پر کوئی نہ کوئی موجود ہو؛ لیکن گجراتی زبان ہم گجراتیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکے گا۔

ہوا یہ کہ ہمیں گجراتی میں باتیں کرتا ہوا دیکھ کر انگلینڈ کے گروپ کا ایک آدمی ہمارے قریب آ کر گجراتی میں یوں گویا ہوا: *amē kṣan-ni* (یعنی تم کہاں کے ہو؟)۔
ہم نے ان سے پوچھا: *amē kṣan-ni* (یعنی تم کہاں کے ہو؟)۔

پتہ چلا کہ وہ اصلاً گجراتی تھے، ہمارا آپس میں تعارف ہو گیا تو ان حضرات نے وہاں کے ذمے داروں سے سفارش کی کہ یہ بھی ہمارے بڑے عالم دین ہیں اور ہم ان کو بھی اپنے ساتھ جالی کے اندر لے جائیں گے، اس طرح الحمد للہ! ہم بھی اندر گئے اور قبر مبارک سے متصل کھڑے ہو کر ایصالِ ثواب کیا، دعائیں مانگیں اور وہیں میں نے تمام ساتھیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ قصے سنائے۔

جب اس زیارت سے فارغ ہوئے تو میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: ظہر اگرچہ کچھ تاخیر سے ہو؛ لیکن مسجدِ اقصیٰ جا کر ہی پڑھیں گے۔

”مادب“ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی

یہاں سے بیت المقدس کے راستے میں ایک اور پہاڑ ہے جس کا نام ”نیبوں“ ہے،

اس پہاڑ کے پاس ”مادب نامی“ گاؤں ہے، اسی گاؤں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ: مجھے بیت المقدس کے قریب دفن کرنا؛ چنانچہ لوگ ان کا جنازہ لے کر چلے اور اس مقام تک لے آئے جہاں آج وہ آرام فرما ہیں۔

ہم نے اس ”نبیوں“ پہاڑ اور ”مادب گاؤں“ کی بھی زیارت کی، پھر بیت المقدس کے لیے روانہ ہوئے۔

بیت المقدس کا تعارف

بَيْتُ الْمَقْدِسِ يَابَيْتُ الْمُقَدَّسِ كُوْا الْقُدْسُ“ بھی کہتے ہیں، بیت المقدس“ سے مراد ”مبارک گھر“ یا ایسا گھر ہے جس کے ذریعے گناہوں سے پاک ہوا جاتا ہے۔ یہاں مسلمانوں کا قبلہ اول مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں، اسے یورپی زبان میں یروشلم (jerusalem) اور عبرانی میں ”شلیم“ کہتے ہیں۔ یروشلم وہ شہر ہے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت تھی۔ بیت المقدس کے احاطے میں ایک کمرہ ہے اس کے متعلق بتاتے ہیں کہ: وہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا کرتا تھا۔

مکہ مکرمہ سے بیت المقدس کا فاصلہ تقریباً تیرہ سو (۱۳۰۰) کلومیٹر ہے۔

مسجد اقصیٰ کی عجیب و غریب تعمیر

سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا کام حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کیا تھا؛ مگر صرف قد آدم تک اس کی بنیادیں اٹھنے پائی تھیں کہ آپ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے جانشین ہوئے تو ان کو اس کی تعمیر کی تکمیل

کی فکر ہوئی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے جنات کو جمع کیا اور ان کو کام تقسیم کر دیے، ہر جماعت کو اس کام کے لیے خاص کیا گیا جس کو وہ اچھی طرح کر سکتے تھے۔

جنات کو سنگِ رخام اور سنگِ مرمر جمع کرنے کے لیے متعین کر دیا، شہر کے بارے میں حکم دیا کہ: شہر کو سنگِ رخام اور بڑے (چوکور) پتھروں سے تعمیر کیا جائے اور اس میں بارہ آبادیاں رکھی جائیں، ہر آبادی میں ایک خاندان رہے۔

جنات کی بعض جماعتوں کو کانوں سے سونا، چاندی اور یاقوت نکالنے کے لیے متعین کیا، ایک جماعت کو سمندر سے موتی نکالنے پر مقرر کیا، اور ایک جماعت کو سنگِ مرمر نکالنے کا حکم دیا، ایک جماعت کو مشک و عنبر و دیگر خوشبوؤں کی تمام اشیاء کے حصول کے لیے روانہ کیا۔

جب یہ تمام چیزیں اس قدر جمع ہو گئیں کہ ان کی تعداد صرف اللہ ہی جانتا ہے تو اس کے بعد کاریگروں کو طلب کیا گیا اور ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ بلند پتھروں کو تراش کر تختیاں بنائیں، یاقوت اور موتیوں میں سوراخ کریں اور جواہرات درست کریں، جب یہ کام بھی مکمل ہو گیا تو مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔

اس کی دیواریں سفید، زرد اور سبز سنگِ مرمر سے بنائی گئیں اور اس کے ستون بلور کے رکھے گئے، اس کی چھت قیمتی جواہرات کی تختیوں سے پاٹ دی گئی۔ چھتوں، دیواروں اور ستونوں میں مروارید، یاقوت اور دیگر قسم کے یاقوت جڑ دیے گئے۔

مسجد کے افتتاح کی تقریب اور دعا

جب یہ مسجد مکمل ہو گئی تو دنیا کی کوئی عمارت اس کی خوب صورتی اور چمک دمک کو

نہیں پہنچتی تھی، رات کو وہ چودہویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے علمائے بنی اسرائیل کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: میں نے یہ مسجد خالص اللہ کے لیے تعمیر کرائی ہے اور وہ دن یوم عید منایا گیا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جب حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جو مقبول ہوئیں، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ: جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

مسجد کے افتتاح کی خوشی میں دعوت

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہونے پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کر کے لوگوں کو دعوتِ عام دی اور اس دن خوشی منائی، اور صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ:

یا اللہ! آپ ہی نے مجھے قوت اور وسائل عطا فرمائے جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ! مجھے اس کی بھی توفیق دیجیے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجیے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زلیغ اور کجی نہ ڈالے۔

مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے والے کے لیے

حضرت سلیمان علیہ السلام کی پانچ دعائیں

اور عرض کیا کہ: اے میرے پروردگار! جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لیے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں:

① جو گنہ گار توبہ کرنے کے لیے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمائیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں۔

② جو کسی خوف اور خطرے سے بچنے کے لیے داخل ہو آپ اس کو امن دے دیں۔

③ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں۔

④ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کر دیں۔

⑤ جو اس میں داخل ہو وہ جب تک اس میں رہے آپ اپنی خصوصی نظر عنایت و رحمت اس پر رکھیں؛ سوائے اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔

(از معارف القرآن شفعی)

مسجد اقصیٰ کی تعمیر اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی

وفات کے متعلق دوسری روایت

اس سلسلے میں دوسری روایت یہ ہے کہ: جب آپ علیہ السلام کی موت کا وقت قریب معلوم ہوا تو سوچا کہ: مسجد اقصیٰ کی تعمیر نامکمل رہ جائے گی؛ کیوں کہ جنات آپ کے بعد تعمیر کا کام نہ کریں گے، تو آپ نے ایک نقشہ بنا کر جنات کے سپرد کر دیا کہ: اس کے

مطابق تعمیر کا کام ہوتا رہے، اور خود ایک شیشے کے مکان میں بند ہو کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔

جنات آپ کو دیکھتے رہتے تھے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام شیشے کے مکان میں سے ہمیں دیکھ رہے ہیں، آپ عبادت میں مصروف تھے کہ اسی دوران ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی، وفات کے بعد لکڑی کے سہارے کھڑے رہے، جنات کو پتہ بھی نہ چلا کہ آپ وفات پا گئے، جنات اسی دھوکے میں بدستور تعمیر کے کام میں لگے رہے، لکڑی کو دیمک لگ گئی اور آپ کا مجسمہ زمین پر گر گیا، اس سے جنات کو معلوم ہوا کہ آپ کا تو وصال ہو گیا، آپ کا وصال حضرت نبی کریم ﷺ سے تقریباً پندرہ سو چھیالیس (۱۵۴۶) سال قبل ہوا، چالیس سال آپ بڑے رعب اور شاہی دبدبے کے ساتھ حکومت کرتے رہے۔

جناتوں پر دیمک کا احسان

جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انتقال کی مدت کو معلوم کرنے کے لیے لکڑی کو دیمک کے سامنے ڈالا، ایک دن رات تک جس قدر دیمک نے اسے کھایا، اسے دیکھ کر اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتقال کو پورا سال گزر چکا ہے، اس وقت سے جنات گھن کے کیڑے کو مٹی اور پانی لا دیا کرتے ہیں؛ گویا اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ میں فرق

یہاں بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کے فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے، بیت المقدس بہت بڑا شہر ہے، اس کے چاروں طرف دیواریں بنی ہوئی ہیں، اس کے بیچ میں

مسجد اقصیٰ اور دیگر انبیا کی یادگاریں موجود ہیں۔

برکت کا ایک نمونہ

سب سے پہلے ہم ایک دروازے سے اندر داخل ہوئے تو گیٹ پر ہی بہت سارے فروٹ رکھے ہوئے تھے، جو آنے جانے والے زائرین کے لیے دعوتِ نظارہ تھے، طرح طرح کے پھل اور ان کی سائز دیکھ کر ساتھی حیران رہ گئے، بلا مبالغہ فلسطین کے سنترے ہمارے یہاں کے چھوٹے تربوز کی سائز کے برابر تھے اور تربوز تو ایسے کہ دس آدمی مل کر بھی ایک تربوز نہ کھا سکیں، اسی طرح انجیر، زیتون اور طرح طرح کے پھلوں کی بھرمار تھی۔ میں نے ساتھیوں سے کہا: یہ بھی اس خطے کی برکت کا ایک نمونہ ہے۔

مسجد اقصیٰ میں ظہر کی نماز کی سعادت

ہم مسجد میں داخل ہوئے تو پہلے نماز ظہر کی ادائیگی کی فکر تھی؛ اس لیے احاطہ قدس میں داخل ہونے کے بعد جلدی جلدی قدم بڑھا رہے تھے، چلتے چلتے اپنی نااہلی اور اللہ تعالیٰ کے احسانات میں محو تھے، سوچتے تھے کہ: ہم کیسی مقدس جگہ میں آئے ہیں جہاں معراج کے موقع پر سارے انبیا جمع ہوئے اور حضور ﷺ تشریف لائے، پھر وہ جگہ آئی جہاں معراج کی رات حضور ﷺ نے براق باندھا تھا، پھر صخرہ مقدس آیا؛ مگر ہم سب چیزوں کو پار کرتے ہوئے مسجد پہنچے اور نماز ظہر ادا کی۔

اصل مسجد اقصیٰ

نماز سے فارغ ہوئے تو گائڈ نے کہا: جلدی کرو، دروازہ بند ہونے والا ہے۔ ہم

نے پوچھا: کون سا دروازہ؟

بتایا کہ: دراصل مسجدِ اقصیٰ کے تین حصہ ہیں، اصل مسجدِ اقصیٰ پہنچنا ہے۔ ہم جو فوٹو میں سرگیں رنگ کا گنبد دیکھتے ہیں وہ سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی بنوائی ہوئی مسجد ہے جو انھوں نے فتح بیت المقدس کے موقع پر بنوائی تھی، یہ سطحِ زمین کے اوپر ہے اور ہمیں نظر آتی ہے۔

البتہ! حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے انتقال کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو مسجد جناتوں کے ذریعہ بنوائی تھی جس کا ذکر قرآن میں ہے وہ نیچے والے حصے میں ہے، خلیفہ مروان نے اپنے دورِ حکومت میں اس کی توسیع بھی کی تھی اور یہی اصل مسجد ہے جس میں حضور ﷺ نے معراج کی شب تمام انبیاء کی امامت فرمائی تھی۔

مسجدِ اقصیٰ اتنی بڑی ہے کہ بیک وقت اس میں سات ہزار (۷۰۰۰) مصلیوں کی گنجائش ہے، رمضان المبارک میں جمع زیادہ ہوتا ہے اور شبِ قدر میں تقریباً بیس ہزار کا جمع ہو جاتا ہے، جو صحنِ مسجد اور قبۃ الصخرہ وغیرہ میں عشا اور تراویح ادا کرتا ہے۔

نور کا دریا

ظہر پڑھ کر ہم نے نیچے اترنا شروع کیا، بخدا! جیسے جیسے ہم نیچے اتر رہے تھے ایسا لگ رہا تھا جیسے نور کے دریا میں اتر رہے ہوں، عجیب سکون اور نورانیت والا پر کیف منظر تھا، ہم نے اس کے ستون دیکھے جو بہت بڑے بڑے اور ایک ہی پتھر کے تھے، واقعی ان پتھروں کو دیکھ کر عین الیقین حاصل ہوتا ہے کہ اس قدر بڑے اور بھاری پتھر کون اٹھا سکتا ہے، جنات کے علاوہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ انہیں اٹھائے اور تعمیر کے لیے اوپر تک نصب کرے۔

جنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بطور معجزہ جناتوں کو تابع کیا تھا، اسی کی برکت ہے کہ اس قدر مضبوط پتھروں سے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی گئی۔ بعض علما کا قول ہے کہ: اللہ نے جنوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع بنا دیا تھا اور ان کو اطاعت کا حکم دیا تھا اور ان کو احکام کا پابند رکھنے کے لیے ان پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا تھا، جس کے ہاتھ میں آگ کا ایک کوڑا رہتا تھا؛ لہذا جنوں میں سے جو کوئی بھی آپ علیہ السلام کی نافرمانی کرتا وہ فرشتہ اس کو کوڑے مارتا جس سے وہ جن جل جاتا۔

تانے کا چشمہ

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ: اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے تانے کا ایک چشمہ پیدا کر دیا تھا، جو تین دن اور تین رات برابر پانی کی طرح بہتا رہتا تھا اور یہ چشمہ ملک یمن میں تھا؛ چنانچہ اس چشمہ سے جتنا تانبا اللہ نے اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے نکالا تھا اسی کی بدولت ہم آج تک تانے سے مستفیض ہو رہے ہیں۔ وہاں عجیب عجیب چیزیں دیکھنے کو ملیں، بنائے سلیمانی کے نشانات اب بھی موجود ہیں۔ گانڈ صاحب نے ہمیں خلیفہ مروان کا توسیع والا حصہ بھی دکھایا۔

تیل کا کنواں اور مسجد اقصیٰ کے لیے تیل بھیجنے کی فضیلت

مسجد کی دائیں جانب ایک کونے میں تیل کی جگہ ہے، جہاں عالم سے مسجد اقصیٰ کے لیے تیل بھیجا جاتا تھا، اور وہ اس کنویں میں جمع ہوتا تھا اور دورِ قدیم میں وہیں سے پوری مسجد اقصیٰ میں روشنی کا انتظام ہوتا تھا؛ چوں کہ حدیث شریف میں مسجد اقصیٰ کے

لیے تیل بھیجنے کا حکم اور فضیلت آئی ہے:

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں بیت المقدس جانے کی استطاعت نہ پاؤں (تو کیا کروں)؟

فرمایا: وہاں کے لیے تیل بھیج دو جس سے روشنی کا انتظام ہو، جو ایسا کرے وہ بھی وہاں جانے والے کی مانند ہے۔ (ابن ماجہ، باب ماجاء فی الصلوۃ فی مسجد بیت المقدس)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بیت المقدس نہ جاسکے کہ اس میں نماز پڑھے تو وہ تیل بھیج دے جس کے ذریعہ اس میں چراغ جلایا جائے (کنز العمال)

مسجد مروان بن عبد الملک اور مسجد براق

وہیں پر عبد الملک بن مروان کی مسجد ہے، عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو اس مسجد کے ایک حصے کو اصطلبل بنادیا تھا، اس میں گھوڑوں کے باندھنے کے نشانات اب تک ظاہر ہیں۔

زیارت کا ایک مقام مسجد براق ہے، دیوار کی بائیں جانب دیوار میں ایک دروازہ تھا جو اب بند ہے، یہ وہی دروازہ ہے جہاں سے براق اندر آیا تھا، اور وہیں باندھا گیا تھا۔ گائڈ نے کہا: آگے ایک اور اہم چیز دیکھنا ہے جلدی چلو، یہ کہہ کر ہمیں کافی نیچے تہہ خانے میں لے گئے، پھر مسجد کے حی علی الفلاح والی جانب میں ایک سیڑھی چڑھے، وہاں کھڑکی سے جھانکا تو عجیب چیز نظر آئی۔

گائڈ نے کہا: پہلے باری باری سب لوگ یہ چیز دیکھو، پھر میں بتاتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟

اس گہوارے کی زیارت جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

سب سے پہلے کلام کیا تھا

ہم نے دیکھا کہ بچوں کے جھولے کی طرح ایک پتھر کا گہوارہ ہے اور اس پر چھت بنی ہوئی ہے، جب سب نے باری باری دیکھ لیا تو گانڈ نے بتایا: یہ وہ گہوارہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے کلام کیا تھا اس جگہ اب اس طرح گہوارہ وغیرہ نشانی کے طور پر بنا ہوا ہے، پیدائش کے بعد جب حضرت مریم رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر مسجد اقصیٰ آئیں تو ساری قوم جمع ہوگئی اور انھوں نے پوچھا:

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يُمَرِّمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٨﴾
يَأْخُذْتِ هُرُونًا مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سَوَاءً وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا ﴿٢٩﴾

ترجمہ: وہ (مریم) اس (لڑکے) کو (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی، وہ (قوم کے لوگ) کہنے لگے: اے مریم! تو نے تو بڑا غضب ہی کا کام کیا ﴿۲۸﴾ اے ہارون کی بہن! تیرا باپ کوئی برا آدمی نہیں تھا اور تیری ماں بھی کوئی بدکار عورت نہیں تھی۔ ان کے جواب میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے اسی بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس بچے سے پوچھو: ﴿فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ﴾

ترجمہ: سو اس (مریم) نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

انھوں نے کہا کہ: ہم اس بچے سے کیسے دریافت کریں:

قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿٢٩﴾

ترجمہ: قوم کے لوگ کہنے لگے: جو بچہ گود میں ہے اس کے ساتھ ہم کس طرح بات

کریں گے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلامؑ جو ابھی صرف تین دن کے تھے انھوں نے ماں کی چھاتی سے منہ ہٹایا اور ان سے کلام کرتے ہوئے کہا:

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ اتَّخِذْنِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿٣٠﴾

ترجمہ: (اس پر) وہ (بچہ) بولا کہ: میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھ کو کتاب دی ہے اور مجھ کو نبی بنایا ہے۔

یہ سارا سوال و جواب اسی جگہ ہوا تھا جس کی ہم لوگ زیارت کر رہے تھے۔ اس کی زیارت کے بعد ہم وہاں سے نکل گئے، پوری مسجد اقصیٰ کی زیارت کی، جس میں سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے بنوائے ہوئے منبر، محراب وغیرہ بھی دیکھے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے محراب (کمرہ) کی زیارت

مسجد ہی میں جی علی الفلاح والی جانب ایک اور مقدس جگہ بھی دیکھی، جس کو محراب مریم کہا جاتا ہے۔

محراب مریم وہی محراب ہے جسے حضرت زکریا علیہ السلامؑ نے اپنے نام قرعہ فال نکلنے کے بعد بیت المقدس کے اوپری حصہ میں بنایا تھا۔

ہم اس میں داخل ہوئے، میں نے ساتھیوں سے کہا: یہ وہ کمرہ ہے جہاں حضرت مریم رضی اللہ عنہا رہتی تھیں اور اسی جگہ ان کے پاس غیبی پھل آتے تھے جس کو دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلامؑ نے اولاد کی دعا مانگی تھی اور اللہ نے دعا کو قبول بھی کیا تھا:

كَلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرَأَتُ

أَتَىٰ لَكَ هَٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ
حِسَابٍ ﴿٢٧﴾ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً
طَيِّبَةً إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٢٨﴾

ترجمہ: جب کبھی زکریا (علیہ السلام) اس (مریم) کے پاس مسجد میں (یعنی عبادت اور
رہنے کے حجرے میں) آتے تو اس کے پاس کھانے کی کوئی نہ کوئی چیز پاتے، اس
(زکریا علیہ السلام) نے پوچھا: اے مریم! یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں؟ تو اس
(مریم) نے جواب دیا کہ: وہ (کھانے کی چیزیں) اللہ تعالیٰ کے یہاں سے (آئی)
ہیں، یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے حساب رزق دیتے ہیں ﴿۳۷﴾
اس موقع پر (اسی جگہ) زکریا (علیہ السلام) نے اپنے رب سے دعا کی (زکریا علیہ السلام) نے دعا
میں (عرض کیا: اے میرے رب! آپ مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمائیے،
یقینی بات ہے کہ آپ دعا کو بہت سنتے ہیں۔

اس لیے ساتھی خاص طور سے اگر بے اولاد ہوں تو اولاد کی دعا مانگیں، ہم نے نمازِ
عصر، مغرب اور عشا وہیں مسجد اقصیٰ میں پڑھی، اور اس محراب میں بھی دعا، ذکر اور
تلاوت کی سعادت حاصل ہوئی۔

نوٹ: حضرت مریم رضی اللہ عنہا اور حضرت زکریا علیہ السلام کے تفصیلی حالات ”قرآن میں
آئے ہوئے خواتین کے واقعات“ جلد (۲) میں ملاحظہ فرمائیں۔

قبة الصخرہ

پھر ہم ”قبة الصخرہ“ دیکھنے گئے۔ قبة اور صخریٰ عربی زبان کے الفاظ ہیں،

قبہ کے معنی گنبد اور صخرہ کے معنی چٹان کے ہے، یہ قبہ مسجد اقصیٰ کی شمالی جانب صحنِ حرم میں قدرے اونچی جگہ موجود ایک قدرتی چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے؛ اس لیے اسے ”قبۃ الصخرۃ“ (چٹان والا گنبد) کہتے ہیں۔ (مقامات: ۳۴۳)

قدرتی چٹان

یہ قبہ جس قدرتی چٹان پر قائم ہے وہ انسان کے سینے کے برابر اونچی، ۵۶ فٹ لمبی، ۴۲ فٹ چوڑی اور تقریباً نیم دائرے کی غیر منظم شکل میں ہے، اس کا مشرقی پہلو ڈھلوان والا اور مغربی پہلو اونچا اور بلند تر ہے۔
یہ چٹان دراصل یروشلم میں پائی جانے والی سرمئی رنگ کی چٹانوں کے سلسلے کا حصہ ہے۔

دنیا پرست پادریوں کے مذموم کردار کی ایک جھلک

گیارہویں صدی عیسوی میں بدقسمتی اور نا اتفاقی کی وجہ سے القدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تو دنیا پرست عیسائی پادریوں کے کردار کی ایک مذموم جھلک دیکھنے میں آئی، یہاں متعین بڑے پادریوں نے انجیل کو بیچ کھانے کی طرح یہ کاروبار شروع کر دیا کہ یہاں آنے والے عیسائی زائرین کو چٹان کے ٹکڑے ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرنا شروع کر دیے، صلیبی حکمرانوں کو اس کی اطلاع ملی تو انھیں اس بدعنوانی کو روکنے کا سوائے اس کے کوئی اور راستہ نظر نہ آیا کہ اس چٹان کو سنگِ مرمر سے ڈھانک دیں؛ کیوں کہ متعصب و دنیا پرست پادریوں کی حرام خوری کو روکنا ان کے بس میں نہیں تھا۔
اسی (۸۰) سال کے وقفے کے بعد جب سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے بیت

المقدس فتح کیا تو قبے کے گنبد سے صلیب اتارنے اور عیسائیت کے دیگر نشانات مٹانے کے ساتھ ان سنگ مرمر کی سلوں کو بھی ہٹا دیا۔

قبة الصخرہ کی تعمیر

اس کی تعمیر کا آغاز ۶۶ ہجری مطابق ۶۸۵ء میں اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کیا، اس کی تکمیل اس کے بیٹے ولید بن عبدالملک کے ہاتھوں ۷۲ھ مطابق ۶۹۱ء میں ہوئی اور مامون الرشید اور معتصم باللہ کے زمانے میں اس کی تجدید ہوئی۔

اسے دو ماہر فن معمار: رجاء بن حیوۃ اور یزید بن سلام کی نگرانی میں تعمیر کیا گیا، اول الذکر فلسطین کے ایک مقام بیسان اور موخر الذکر القدس کے رہنے والے تھے۔

مشہور ہے کہ خلیفہ نے اس کی تعمیر پر مصر کے خراج سے حاصل ہونے والی سات سال کی آمدنی خرچ کی۔

موجودہ عمارت ترک سلاطین: عبدالحمید (۱۸۵۳ء) اور سلطان عبدالعزیز (۱۸۷۴ء) کے عہد کی مرمت کردہ ہے، عمارت کے باہر چاروں طرف خوب صورت پتھروں پر سورہ بنی اسرائیل اور سورہ یاسین کی آیات خوب صورت اور دل فریب انداز میں تحریر کی گئی ہیں، یہ آیات سلطان عبدالحمید ثانی نے تحریر کروائی تھیں۔

قبة الصخرہ کی کیفیت اور خوب صورتی

یہ عمارت آٹھ پہلوؤں والی ہے، اس کا ہر پہلو ۶۶ فٹ طویل ہے۔ یہ ننانوے (۹۹) فٹ بلند اور لکڑی کا بنا ہوا ہے جس پر باہر کی طرف سونے کا رنگ چڑھا ہوا پیتل اور سیسہ لگایا گیا ہے اور اندر کی طرف کانچ کا استر کیا گیا ہے، جس میں خوب صورت

سنہری کام اور پر تکلف آرائش وزیباش کی گئی ہے۔

مشہور مسلمان جغرافیہ نگار مقدسی یروشلم میں ۳۵۷ء میں پیدا ہوا تھا، وہ قبۃ الصخرہ کے بارے میں لکھتا ہے:

یہ ایک ہشت پہلو عمارت ہے، اس کے چار دروازے ہیں، جن تک سیڑھیوں کے ذریعے پہنچا جاتا ہے، اندرونی حصہ تین دالانوں میں منقسم ہے جن کے ستون سنگِ مرمر کے ہیں، اس کے وسط میں صخرہ ہے اور اس کے نیچے غار ہے جس میں ۷۰ آدمی سما سکتے ہیں۔

صخرہ کے گرد ستونوں کا حلقہ اسے باقی حصوں سے جدا کرتا ہے، گنبد کی چھت تک بلندی ۱۰۰/۸ باع (سوا سو گز) ہے۔ گنبد لکڑی کے تین چوکھٹوں کا بنا ہوا ہے، نیچے والی پر سنہری تانبا چڑھا ہوا ہے، دوسرا لوہے کی سلاخوں کا ہے اور تیسرا لکڑی کا جس پر دھات کے پترے چڑھے ہوئے ہیں۔

صلیبیوں نے اپنے دور میں گنبد کی چوٹی پر سونے کی صلیب لگا دی تھی اور صخرہ کو سنگِ مرمر کی سلوں سے ڈھانپ دیا تھا اور اس کے اوپر ایک قربان گاہ تعمیر کی گئی تھی، بعد میں صلاح الدین ایوبی نے صلیب اتار کر وہاں ہلال نصب کیا اور صخرہ کے گرد کی دیوار مع قربان گاہ ہٹا دی۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۶، حوالہ اٹلس سیرت النبی ﷺ)

مسجدِ قبۃ الصخرہ

آج کل دروازے کے ساتھ متصل حصے میں سبز اور درمیان والے حصے میں سرخ قالین بچھی ہوئی ہے، مسلمان یہاں بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں اور (قبلہ کی طرف منہ کر

کے) نماز پڑھتے ہیں، اس اعتبار سے بعض کتب تاریخ میں اس کو ”مسجد قبة الصخرہ“ بھی کہا گیا ہے؛ اور وہاں مشہور بھی اسی طرح ہے، لیکن درحقیقت یہ باقاعدہ مسجد نہیں، ایک طرح کی جائے نماز ہے جسے مسلمان یہاں آنے کے بعد لہو و لعب میں مشغول ہونے کے بجائے نماز و تلاوت سے آباد رکھتے ہیں۔

قبة الصخرہ نامی اس چٹان کے بارے میں مشہور ہے کہ یہی وہ چٹان ہے جہاں حضرت داؤد علیہ السلام عبادت کیا کرتے تھے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے حضور اکرم ﷺ نے معراج کی رات آسمان کا سفر فرمایا تھا۔

مجاہد اعظم مولانا محمد علی جوہر کا مزار

مسجد صخرہ کے بالمقابل جانب مغرب میں مجاہد اعظم مولانا محمد علی جوہر کی قبر ہے، انھوں نے پندرہ شعبان کو لندن میں وفات پائی، آپ نے انگریز کی حکومت میں دفن ہونے تک کو گوارہ نہ کیا اور پانچ رمضان 1349ھ کو قدس میں دفن کیے گئے۔ اس سے اندازہ لگاؤ کہ کیسے تھے یہ محب وطن !!!

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مزار اور جیل خانہ

بیت المقدس میں مسجد صخرہ کی جانب تین سو قدم کے فاصلے پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک بتائی جاتی ہے۔

اس کے متصل ہی ”حبس سلیمان“ (جیل خانہ) ہے جہاں شریر جنات کو قید رکھا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی دیوارِ براق ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں شبِ معراج میں براق باندھا گیا تھا۔

چٹان کے نیچے ایک قدرتی غار

اس چٹان کے نیچے ایک قدرتی غار ہے جس میں تقریباً ستر آدمی سما سکتے ہیں، یہ غار مربع شکل کا ہے جس کا ہر ضلع تقریباً ساڑھے چار میٹر اور چھت تین میٹر اونچی ہے۔ چھت میں تقریباً ایک میٹر چوڑا ایک شگاف ہے، اس غار میں گیارہ سیڑھیاں اترنے کے بعد ایک محرابی دروازے کے ذریعہ داخل ہوا جاتا ہے، یہ محرابی دروازہ سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے، غار کے فرش پر بھی سنگِ مرمر بچھا ہوا ہے، اس غار میں دو محراب ہیں، دائیں طرف والے محراب کے سامنے ایک چبوترہ ہے جسے عوام ”مقامِ خضر“ کہتے ہیں اور شمال کے چبوترے کو ”باب الخلیل“ کہا جاتا ہے۔

قبۃ الصخرہ کے فضائل

اس وقت دنیا میں تین جنتی پتھر ہیں:

① حجرِ اسود ② مقامِ ابراہیم ③ صخرۃ بیت المقدس۔

خانہ کعبہ اور گنبدِ خضراء کے بعد روئے زمین پر ”قبۃ الصخرہ“ مسلمانوں کے لیے مقدس ترین مقام ہے، اس کے متعلق بہت سی روایات ہیں، یہاں چند ذکر کی جاتی ہیں:

① سارے پتھروں کا سردار بیت المقدس کا صخرہ ہے۔

② صخرہ جنت سے ہے۔

③ مشہور نہریں چار ہیں: سیحون، جیحون، نیل اور فرات، اور وہ صخرہ سے نکلتی ہیں۔

④ سارے بادل اور سارے سمندر اور ہوا صخرہ کے نیچے سے چلتی ہیں۔

⑤ معراج کے سفر میں آپ ﷺ کو صخرہ سے عروج الی السماء کرایا گیا۔

⑥ سارے انبیاء نے اس چٹان پر عبادت کی ہے۔

④ صحرہ میں دائیں یا بائیں ایک ہزار رکعتیں پڑھے تو موت سے پہلے جنت میں داخل ہوگا (یعنی موت سے پہلے ہی جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا)۔

⑧ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے صحرہ سے فرمایا: تو میرا قریبی عرش ہے، تیرے ذریعہ میں آسمان پر مستوی ہوا، اور تجھ ہی میں میری جنت اور جہنم ہے اور تجھ ہی میں میری جزا اور سزا ہے، سو بشارت ہو اس کے لیے جو تیری زیارت کرے، پھر بشارت ہو اس کے لیے جو تیری زیارت کرے، پھر بشارت ہو اس کے لیے جو تیری زیارت کرے۔

⑨ صحرہ پر سے حضرت اسرافیلؑ صور پھونکیں گے اور پورے روئے زمین میں آسمان سے قریب ترین یہ جگہ ہے، ایک قول میں بارہ میل اور دوسرے قول میں اٹھارہ میل اور ایک قول میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ پوری دنیا کی زمین میں وسط ہے۔ (سورۃ ق: حاشیہ جلالین)

⑩ اللہ تعالیٰ صحرہ پر سے قیامت کے دن اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائیں گے اور اسی سے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

⑪ ممکن ہو تو صحرہ کے نیچے (غار) میں اتریں؛ اس لیے کہ وہ معبد الانبیا ہے اور وہاں دعائیں خوب کوشش کریں؛ اس لیے کہ اس جگہ دعا ان شاء اللہ! قبول ہوگی۔

ایک بہت بڑی غلط فہمی کا ازالہ

آپ نے بیت المقدس کی تصویریں دیکھی ہوگی، فوٹو میں جو سنہرا گنبد نظر آتا ہے وہ اسی چٹان پر بنا ہوا ہے، اس کے گنبد پر تقریباً چھیاسی (۸۶) کلو سونا لگایا گیا ہے؛ اسی لیے وہ پیلا پیلا چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔

بعض لوگ تو اسی کو اصل مسجد اقصیٰ کہہ دیتے ہیں، یہ ان کی غلطی ہے؛ حالاں کہ اس گنبد کے نیچے یہ مبارک صخرہ ہے اور یہ مسجد اقصیٰ کے صحن میں ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا محراب و تخت

وہ محراب جس میں کھڑے ہو کر جنات سے حضرت سلیمان علیہ السلام کام کروایا کرتے تھے وہ ساری جگہیں ہم نے دیکھی۔

مسجد صخرہ سے ایک جانب بیرونی عمارت ہے جس کے اندر ایک چبوترہ سا ہے جس پر سبز غلاف رہتا ہے، یہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہے، جہاں آپ جلوہ افروز ہوتے تھے، یہیں قریب میں شیشے کا صحن تھا جسے پانی سمجھ کر ملکہ بلقیس اپنی پنڈلیاں کھولنے لگی تھی، اسی جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے وقت نماز میں کھڑے ہوئے تھے، یہیں پر آپ کی قبر مبارک ہے۔ (مقامات: ۲۲۵)

چرچ اور مسجد عمر رضی اللہ عنہ

پھر ایک اور خاص جگہ ”مسجد عمر“ پر گئے، یہ مسجد اقصیٰ کے قریب ہی ہے، یہ مسجد پرانے زمانے کی تاریخی عمارت ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح بیت المقدس کے بعد تعمیر کروائی تھی، اس کے سامنے ایک چرچ ہے جہاں پوری دنیا کے عیسائی آتے ہیں۔

خليفة ثانی امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فتح بیت المقدس کے موقع پر عیسائیوں کے اسی گرجا میں گئے تھے اور وہاں کی ہر چیز کا معائنہ کیا تھا، اور جب نماز کا وقت آیا تو پوپ نے کہا کہ: آپ یہیں نماز ادا کر لیں؛ مگر آپ نے قبول نہیں فرمایا اور فرمایا: اگر آج میں تمہارے چرچ میں نماز پڑھ لیتا تو (ہوسکتا ہے کہ) کل مسلمان اس

پر یہ کہہ کر قبضہ جمالیں کہ یہاں ہمارے خلیفہ نے نماز ادا کی ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چرچ کے باہر نماز ادا فرمائی، وہاں نیچے والا حصہ جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی تھی عجیب انوار محسوس ہوتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں نے اسی کی یاد میں وہاں ایک مسجد تعمیر کروادی جسے آج مسجد عمر کے نام سے جانا جاتا ہے۔

چرچ کی چیزوں کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے

اس گرجا کی عمارت ایسی مضبوط اور عجیب ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا، یہ دو منزلہ عمارت ہے۔ یہاں سامنے ایک لمبا پتھر کا تختہ ہے جس کے متعلق عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی کے بعد اس پر غسل دیا گیا۔

اس کے شرقی جانب ایک اندھیرے والی تہہ خانہ نما عمارت ہے جہاں موم بتی کی روشنی ہے، جاتے ہی وہاں برآمدے میں ایک اونچا پتھر ہے جس پر شیشہ چڑھا ہے اور چاروں طرف موم بتیاں جلتی ہیں، عیسائی بڑے احترام سے اس کی زیارت کرتے ہیں، اس پتھر کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ: اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔

اس کے متصل چھوٹا سا دروازہ ہے، اس کے اندر چھوٹی سی محراب ہے جس میں سخت اندھیرا ہے، محراب کے دروازے پر زیتون کے چراغ جل رہے ہیں جن کی روشنی بہت ہلکی ہے، اس محراب کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مصلوبی نوٹو ہے۔

میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس چرچ میں تشریف لے گئے ہیں تو ہمیں جانے میں کیا حرج ہے؟

چنانچہ ہم وہاں گئے۔

بیت المقدس آج کسی عمرِ ثالث کے انتظار میں !!!

آج ہم اسی مسجدِ عمر کی زیارت کر رہے تھے اور دل ہی دل میں سوچ رہے تھے ایک وقت تھا کہ: مسلمان اس جگہ کے فاتح تھے اور ان کی شان و شوکت کا کاڈ نکا بجاتھا، خود عیسائیوں نے سامنے سے بلا کر بیت المقدس حوالہ کیا تھا؛ مگر آج وہی بیت المقدس اسرائیل کے ناجائز تصرف میں ہیں، اور بیت المقدس کی زمین کسی عمرِ ثالث اور سلطان صلاح الدین ایوبی کا منہ تک رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ: پھر سے عافیت کے ساتھ جلد از جلد وہ سرزمین مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں عطا فرمادیں، آمین۔
اصل مسجدِ نیچے ہے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز ادا فرمائی تھی۔

مسجد کے صحن میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے، یہ وہی کتبہ ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ کے ساتھ ہونے والے معاہدہ کے وقت لکھا تھا، یہ معاہدہ ۱۵ھ میں لکھا گیا تھا، اصل مضمون عربی میں ہے جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نصاریٰ کے ساتھ کیے گئے معاہدہ کا مضمون

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المؤمنین عمر نے ایلیاء کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لیے ہے، اس طرح پر کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے، نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، نہ ان کی صلیبوں میں اور نہ ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، اور نہ

ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

ایلیاء میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے، ایلیاء والوں پر یہ فرض ہے کہ: اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو نکال دیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال کو امن ہے؛ تا آں کہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے، اور جو ایلیاء ہی میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امن ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا، اور ایلیاء والوں میں سے جو شخص اپنی جان اور مال لے کر یونانیوں کے ساتھ چلا جانا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں کو اور صلیبوں کو امن ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائیں۔ جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر خدا کا عہد ہے، رسول خدا کا، خلفا کا، مسلمانوں کا ذمہ ہے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔

اس تحریر پر گواہ ہیں: خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف، معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ۔ (الفاروق: ۳۰۴)

اس مسجد میں آج تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انوار و برکات محسوس ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ہم نے فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی کی خانقاہ کی زیارت کی۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کا مختصر تعارف

سلطان صلاح الدین ایوبی سے مسلمانوں کا بچہ بچہ واقف ہے، وہ نور الدین زنگی کے قابل ترین جرنیلوں میں سے تھے، نور الدین نے انہیں ان کے چچا شیرکوه کے ساتھ ایک جنگی مہم پر مصر روانہ کیا تھا، وہاں انھوں نے اپنی بہترین جنگی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا،

فرنگیوں کے متعدد حملے انھوں نے پسپا کیے، اور وہ نور الدین زنگی کی طرف سے مصر کے حکمران بن گئے، اور انہیں کی کوششوں کے نتیجے میں مصر سے فاطمی حکومت کا خاتمہ کیا۔ نور الدین زنگی۔ جن کا پایہ تخت شام تھا۔ کی وفات کے بعد اہل شام نے انہیں شام کی حکومت سنبھالنے کی دعوت دی اور اس طرح وہ بیک وقت مصر اور شام دونوں کے حکمران بن گئے۔

اپنے عہد حکومت کے دوران انھوں نے ایک طرف بے شمار تعمیری خدمات انجام دیں اور دوسری طرف یہی وہ دور تھا جب عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کی پے در پے مہمات شروع کر رکھی تھیں، سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان جنگوں میں یورپ کی طاقتوں کے دانت کھٹے کیے، اسی زمانے میں بیت المقدس پر عیسائی قابض تھے، سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں مسلمانوں کا قبلاً اول ان کے قبضے سے چھڑا کر وہاں اسلام کا پرچم لہرایا، اور شام کے جتنے علاقوں پر اہل صلیب قابض ہو گئے تھے، وہ سب ان سے آزاد کرائے۔

ان کی بھی ساری زندگی میدانِ جہاد میں گزری، وہ بھی عدل و انصاف اور صلاح و تقویٰ میں نور الدین زنگی کے جانشین تھے، انھوں نے مصر میں چوبیس (۲۴) سال اور شام میں انیس (۱۹) سال حکومت کی؛ لیکن جب ۵۸۹ھ میں ان کی وفات ہوئی تو ان کے تر کے میں نہ کوئی زمین جائیداد تھی، نہ کوئی نقدی یا سونا۔

آہ! اے صلاح الدین ایوبی!!!

سلطان صلاح الدین ایوبی کو دنیا سے رخصت ہوئے آٹھ سو سال سے زائد ہو

چکے ہیں، آج پھر مسلمانوں کا قبلہ اول ان سے چھین لیا گیا ہے، آج پھر امت مسلمہ کسی صلاح الدین کے انتظار میں ہے، اور پورا عالم اسلام زبان حال سے پکار رہا ہے کہ:

اے سوارِ شہبِ دوراں! بیا اے فروغِ دیدہ امکاں! بیا

سلطان صلاح الدین ایوبی کی خانقاہ کی طرف

چناں چہ ہم خانقاہ صلاح الدین ایوبی میں آئے تو مسجد کھلی تھی، گانڈ کے ساتھ ان کا کمرہ بھی دیکھا، اس کمرے سے مسجد میں جانے کا ایک راستہ ہے، صلاح الدین ایوبی یہیں سے مسجد میں نماز کے لیے آتے جاتے تھے، مسجد کے نیچے دو چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے ہیں، گانڈ نے بتایا کہ: یہ ان کی اعتکاف کی جگہ ہے، یہیں آپ اعتکاف کرتے تھے، اس مسجد میں بڑے بڑے اکابر نے اعتکاف کیا ہے۔ بادشاہ کی رہائش گاہ کے اوپر سے مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس کی بستی بڑی خوب صورت معلوم ہوتی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کے مزار پر

وہاں قبرستان بھی ہے، جس میں نہ جانے کتنے اولیا اور کتنے شہدا کے مزارات ہوں گے، خاص طور پر دو قبروں کی زیارت ضرور کرنی چاہیے: ایک سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اور دوسری سیدنا حضرت شہاد بن اوس رضی اللہ عنہ کی۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کا تعارف

آپ جوانی ہی میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوئے، انصار کے وفود تین سال تک مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آئے ان سب میں آپ شامل تھے، پہلے یا دوسرے وفد

کی آمد پر آپ ﷺ کے دستِ بابرکت پر بیعت کی، آپ ﷺ نے ان کو خاندان اور قافلوں کا نقیب بھی مقرر فرمایا، مسلمان ہو کر والدہ کو بھی اسلام کی دعوت دی اور وہ بھی اسلام قبول کرنے والوں میں شامل ہوئیں۔

غزوہ بدر، بیعتِ رضوان اور خلافتِ صدیقی کی بعض لڑائیوں میں بھی شریک رہے، سن ۲ھ میں بنو قینقاع عبداللہ بن ابی کے اشارہ سے آپ ﷺ سے بغاوت پر آمادہ ہوئے تو بنو قینقاع نے جلاوطنی کی سزا پائی، حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے ان کا پرانا تعلق تھا؛ مگر سارے تعلقات قطع کر دیے اور جلاوطن کرنے کا کام ان کے حوالے کیا گیا تو بڑی خوشی سے اسے انجام دیا۔ آپ فضلاءِ صحابہ میں سے تھے، حافظِ قرآن تھے۔

خلافتِ فاروقی میں ایک کمک کی فوج پر افسر بھی بنائے گئے، صدقات کی افسری، فلسطین کی قضا اور حمص کی امارت کی ذمہ داری بھی نبھائی۔

ایک مرتبہ فلسطین سے ناراض ہو کر مدینہ منورہ آگئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے واپس بھیجا کہ: آپ ہی جیسے لوگوں سے دنیا قائم ہے، جہاں آپ جیسے لوگ نہ ہوں گے خدا اس زمین کو خراب کر دے گا۔ پھر تادمِ حیات فلسطین میں رہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کا تعارف

آپ حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صاحبِ زادے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے، تقریباً سارا خاندان مسلمان ہو چکا تھا، عہدِ نبوت کے بعد شام، حمص اور فلسطین میں قیام پذیر رہے۔

نہایت عابد اور پرہیزگار تھے، خوفِ خدا ہر وقت غالب رہتا تھا، بسا اوقات رات

کو آرام فرمانے کے لیے لیٹتے پھراٹھ جاتے اور ساری رات نماز پڑھتے، کبھی کبھی زبان سے نکلتا: خدایا! جہنم میرے اور میری نیند کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔

بات فرماتے تو دل آویز اور شیریں ہوتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: دو خصلتوں میں حضرت شدا رضی اللہ عنہ ہم سے بڑھ گئے: بولتے وقت وضاحت بیان میں، اور غصہ کے وقت عفو و درگزر میں۔

آپ ﷺ سے محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ: ایک مرتبہ آپ ﷺ بقیع تشریف لے جا رہے تھے اور آپ ﷺ حضرت شدا کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چہرہ پر اداسی تھی، آپ ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی، تو عرض کیا کہ: مجھ پر دنیا تنگ ہے، فرمایا: تم پر دنیا تنگ نہ ہوگی، شام اور بیت المقدس فتح ہوگا اور وہاں تمہاری اولاد امام ہوگی۔

یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، وہ اپنی اولاد کے ساتھ بیت المقدس میں مقیم ہو گئے اور پورے علاقے کے علم و فضل میں مرجع بنے۔ آپ نے ۵۸ھ میں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

دونوں صحابہ کی قبریں مسجد اقصیٰ کے صحن کی مشرقی دیوار سے متصل ہیں، پہلے ایک کونے پر حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، اس سے ذرا سے فاصلے پر حضرت شدا بن اوس رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک ہے۔

حضرت شمویل علیہ السلام کا مزار

قدس میں حضرت شمویل علیہ السلام کا مزار بھی ہے اور انہی کے نام پر قسطل (Castal)

میں منطقۂ ابو غوث کے علاقے میں ”قریہ شمویل“ بھی ہے۔

بہر حال! اسی کے ساتھ ہماری آج کی زیارتوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہے؛ کیوں کہ رات ہو چکی تھی، دن بھر کی زیارتوں سے کافی تھک چکے تھے اور آرام کا شدید تقاضا تھا، چنانچہ اپنی قیام گاہ کی طرف لوٹے اور آرام کیا۔

۱۵ تاریخ اتوار کا دن: مدینۃ الخلیل کی طرف

آج کی اہم ترین زیارت میں بتایا گیا کہ: ”مدینۃ الخلیل“ جانا ہے۔

مدینۃ الخلیل اس وقت اسرائیل کے حصار میں ہے، اور وہ بابرکت مقام ہے جہاں حضراتِ انبیاء علیہم السلام میں سے چار حضرات اور ان میں سے دو حضرات کی اہلیہ محترمت آرام فرما ہیں۔ یہ حرم خلیل کہلاتا ہے۔

اسی جگہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا ایک طویل زمانہ گذرا، اور یہیں پر آپ کی قبر مبارک بنی، اور نہ جانے کتنے حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیائے عظام رحمہم اللہ کے قدم مبارک کے برکات یہاں ثبت ہیں۔

حالات خراب ہونے کے باوجود وہاں جانے کا شوق

وہاں کے عرب حضرات نے بتایا کہ: ابھی وہاں جانے جیسا ماحول نہیں ہے؛ کیوں کہ غزہ، اسرائیل جنگ کے خطرات منڈلانا شروع ہو چکے تھے؛ لیکن میں نے کہا: نہیں! جس سرزمین کے اتنے عظیم فضائل ہو، اور اسلام کی بڑی یادیں وابستہ ہوں؛ اس کی زیارت کو کیسے چھوڑا جاسکتا ہے، ہمیں تو ہر حال میں شہر الخلیل جانا ہی ہے، ورنہ ہمارے سفر کی ایک اہم آرزو ادھوری رہ جائے گی۔

ہمارا گانڈ بھی بڑا ہمتی آدمی تھا، اس نے کہا: شیخ! آپ اگر ہمت فرمائیں تو میں آپ کو لے چلنے کے لیے تیار ہوں۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ: حفاظت کے جتنے اوراد و وظائف آپ کو یاد ہوں سب پڑھ لو، ہمیں الخلیل شہر چلنا ہے، اور اس طرح اللہ سے مدد کی دعا کے ساتھ صبح سویرے روانہ ہوئے۔

کرفیو جیسے ماحول میں اطمینان سے مدینۃ الخلیل میں داخلہ

جب ہم آگے بڑھے تو واقعتاً کرفیو جیسا ماحول، جابجا اسرائیلی فوجی چیکنگ کر رہے تھے، الخلیل کے دروازے پر پہنچتے تو آرمی والوں نے روک کر پوچھا: تم کون ہو؟ ہم نے کہا: ٹورسٹ گروپ ہے۔

پوچھا: کہاں سے آئے ہیں؟ ہم نے کہا: انڈیا سے۔
کہنے لگے: ٹھیک ہے جاؤ۔ اجازت دے دی۔

سنائے میں کرفیو جیسے ماحول میں ہم اطمینان سے اندر داخل ہوئے، وہاں پہنچتے تو فلسطینی چھوٹے بچے دوڑ دوڑ کر آگئے۔

مسجد ابراہیمی میں بابرکت ہال

ایک اونچے ٹیلے پر نہایت خوب صورت اور عظیم الشان جامع مسجد ابراہیمی ہے، اس میں ایک بہت بڑا ہال ہے جسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی نگرانی میں جناتوں سے تعمیر کرایا تھا، اسی عظیم ہال میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کی قبور مبارکہ ہیں، اسی طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی رفقہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی حضرت سارہ وغیرہ کی قبریں ہیں،

یہاں عجیب نورانیت محسوس ہوتی ہے۔ اسی ہال میں وہ بابرکت غار بھی ہے جہاں دوسرے انبیاء کے مزارات بتائے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر شریف کی زیارت کے آداب

علمائے لکھا ہے کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کی زیارت کے آداب میں سے کچھ یہ ہیں: ① نیت کو خالص کرے۔

② اللہ تعالیٰ سے توفیق اور مدد طلب کرے۔

③ جانے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

④ کوئی بے ادبی کا کام نہ کرے؛ اس لیے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

⑤ قبر کا قصد کرے اور پورے وقار اور سکون کے ساتھ حاضر ہو۔

⑥ ذکر اور استغفار زبان پر جاری ہو۔

⑦ مسجد میں ادب کے ساتھ داخل ہو۔

⑧ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔

⑨ پھر قبر مبارک پر حاضر ہو کر آپ پر سلام پیش کرے۔

⑩ کثرت سے دعا کرے کہ یہ قبولیت دعا کی جگہ ہے، اور آپ کا وسیلہ چاہے اور شفاعت کی درخواست کرے، جن لوگوں نے آپ کے توسل سے دعا کی، ان کی دعا قبول ہوئی۔

انہیں آداب کے ساتھ اور حضراتِ انبیاء علیہم السلام مثلاً: حضرت اسحق علیہ السلام،

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام پر بھی سلام پیش کرے، پھر حضرت سارہ، اور حضرت رفقہ رضی اللہ عنہما پر۔

سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انبیائے کرام کی جماعت میں ایک خاص مقام ہے، آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا سارے انبیائے کرام سے افضل ہیں۔
آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہونے کی بنا پر ابو محمد اور ابوالانبیاء کے لقب سے بھی موسوم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت مشابہ تھے۔

شبِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات فرمائی۔ مہمان نوازی میں آپ علیہ السلام بے مثل تھے؛ اسی لیے آپ کی کنیت بھی ”ابوالضیفان“ ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقریباً تین ہزار نوے (۳۰۹۰) سال کا فاصلہ ہے۔

چھتر (۷۵) سال کی عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر بنفس نفیس فرمائی۔

قرآن مجید کی پچیس (۲۵) سورتوں میں تریسٹھ (۶۳) جگہ آپ کا تذکرہ آیا ہے، کہتے ہیں کہ: آپ کی پیدائش ایک نجومی کی پیشین گوئی کی بنا پر ایک غار میں ہوئی اور اسی میں آپ پانچ (۵) سال تک رہے۔

زندگی کے لمحات بڑے امتحانات سے گذرے، کبھی تو باپ نے گھر سے نکال دیا

تو کبھی نمرود کی طرف سے آگ میں ڈالنے کا حکم ہوا تو کبھی بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم ربانی ملا۔ الغرض! بہت سے امتحانات سے دو چار ہونا پڑا۔

نوٹ: تفصیل کے لیے ”قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات“ جلد (۱) اور دیکھی ہوئی دنیا جلد (۲) ملاحظہ فرمائیں۔

سیدنا حضرت اسحاق علیہ السلام

آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے اور چھوٹے صاحب زادے ہیں، جب والد کی عمر سو (۱۰۰) سال کی اور والدہ کی عمر نوے (۹۰) یا پچانوے (۹۵) سال کی تھی اس وقت بیت اللہ کی تعمیر کے سال پیدا ہوئے۔

والد ماجد کے بھتیجے کی لڑکی حضرت رفقہ سے چالیس (۴۰) سال کی عمر میں شادی ہوئی، انہیں سے حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کے تقریباً ساڑھے تین ہزار انبیائے کرام علیہم السلام آپ ہی کی نسل سے پیدا ہوئے۔

وہ خوش نصیب عورت جو ایک نبی کی بیوی، ایک نبی کی بہو

اور ایک نبی کی والدہ ہے

اس طرح حضرت اسحاق علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت رفقہ علیہا السلام کو نبی کی اہلیہ، نبی کی بہو، نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے مزار مبارک کے پچھلے حصے میں ہم مسلمانوں کا داخلہ ممنوع ہے، معلوم ہوا کہ چند سال پہلے نماز فجر کی جماعت کے دوران ایک یہودی نے یہاں آکر عین حالت نماز میں مصلیوں پر گولیوں کی بارش برسا دی تھی، جس میں ستائیس

(۲۷) افراد شہید ہوئے، حکومت نے فوراً احاطے کو قبضے میں لے کر مسجد کو بند کر دیا، تفتیشی مراحل کے بعد دوبارہ مسجد کو کھولا تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مزار مبارک کے پچھلے والے حصے کو اپنے قبضے میں رکھ کر مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیا۔

اس ممنوع احاطے میں سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے صاحب زادے سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی والدہ اور سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ حضرت لیاضی اللہ عنہا کے مزارات واقع ہیں۔

سیدنا حضرت یعقوب علیہ السلام

آپ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ماجد ہیں۔

عبرانی زبان میں آپ کا نام ”اسرائیل“ ہے، ”اسرا“ کے معنی ”عبد“ کے اور ”ایل“ کے معنی ”اللہ“ کے ہوتے ہیں۔

آپ کی پیدائش کی بشارت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کے ساتھ ہی دی تھی۔ آپ کی یہ خصوصی شان ہے کہ تمام انبیائے بنی اسرائیل آپ ہی کی نسل سے ہوئے، آپ کے بعد کسی نبی کی نسل سے اتنے انبیاء نہیں ہوئے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کی وفات کے بعد والدہ ماجدہ کے حکم سے اور مشورے سے عراق تشریف لے گئے اور اپنے ماموں کے پاس بیس سال سے زائد رہے، اور ان کی دوا کیوں: لیا اور راحیل کے ساتھ آپ کا نکاح ہوا۔ لگتا ہے کہ ان کی شریعت میں بیک وقت دو بہنوں کے ساتھ نکاح جائز ہوگا۔

آپ کی بارہ اولاد ہوئیں، جن سے پھیلنے پھیلنے بارہ قبیلے بن گئے اور وہی بنی

اسرائیل کہلائے۔

ماموں کے یہاں مقیم تھے وہیں سے اللہ نے آپ کو کنعان کے باشندوں کے لیے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ دادا کی طرح یہ بھی بڑے امتحانات سے گزرے، دودو بیٹوں کی جدائی اور اس پر غم سے بینائی زائل ہو گئی۔

تقریباً ایک سو چوبتر (۱۷۴) سال کی عمر میں مصر میں وفات پائی، آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت فرمائی تھی کہ: مجھے میرے والد اور دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کرنا، حضرت یوسف علیہ السلام نے حسب وصیت جنازہ کو شاہی اعزاز کے ساتھ ارضِ فلسطین میں دونوں بزرگوں کے پہلو میں سپردِ خاک کیا۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے پر قرآن میں ایک پوری سورت آپ ہی کے نام سے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ کریم بن کریم بن کریم بن کریم، کی شانِ امتیازی کے مالک تھے۔

آپ علیہ السلام نے بچپن میں عجیب خواب دیکھا کہ: گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ والد ماجد نے ارشاد فرمایا: اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کرنا۔ بھائیوں کو والد کی ان پر نظرِ عنایت اور کثرتِ محبت کی بنا پر حسد پیدا ہو گیا تھا، اور وہ حسد یہاں تک پہنچا کہ جان لینے کو تیار ہو گئے اور مشورے سے کنوئیں میں ڈال دیا، پھر مسافروں کے ہاتھ مصر پہنچائے گئے اور بازارِ مصر میں نیلام ہوئے اور تقدیرِ الہی سے بادشاہ کے مکان ہی پر رہنے اور پلنے کا موقع ملا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا ہمارے لیے عبرت

حضرت یوسف علیہ السلام نے وفات سے قبل جو دعا مانگی ہے وہ ہم سب کے لیے عبرت کی دعا ہے، اللہ کے ایک برگزیدہ بندے اور نبی نے کس چیز کی تمنا ظاہر کی کہ:

رَبِّ قَدْ أَتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ: اے میرے رب! آپ نے مجھے حکومت کا بڑا حصہ عطا فرمایا اور مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم بھی عطا فرمایا، اے آسمانوں اور زمین کو بنانے والے (اللہ تعالیٰ!) آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرا کام بنانے والے ہیں، آپ مجھ کو اسلام (یعنی آپ کی فرماں برداری) کے ساتھ (دنیا سے) اٹھانا اور (مرنے کے بعد اپنے) نیک بندوں کے ساتھ مجھے ملا دینا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی آخرت کا شوق بڑھ گیا اور آپ نے دعا مانگی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس نبوت (اعلیٰ ترین مقام ہے) بھی ہے اور دنیوی بادشاہت (جو دنیا میں ترقی کا اعلیٰ مقام ہے) بھی ہے، ان دونوں نعمتوں کے ہوتے ہوئے حسنِ خاتمہ اور آخرت میں صالحین کی معیت کی دعا مانگنا یہ حسنِ خاتمہ کی اہمیت کو بتلاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس نعمت سے نوازے، اس قرآنی دعا کو مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے (از تیسیر القرآن)۔

نوٹ: فوائدِ سورۃ یوسف اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ”قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات“ جلد (۱) میں ملاحظہ فرمائیں۔

وفات کے بعد پہلے مصر میں دفن کیے گئے، پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا اور بنی اسرائیل نے مصر سے ہجرت کی تب حضرت موسیٰ علیہ السلام آپ کے تابوت کو مصر سے فلسطین ساتھ لے گئے، حسب وصیت سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کی قبر کو کھول کر نعش کو فلسطین پہنچایا اور اپنے والد اور دادا کے ساتھ مدینۃ الخلیل میں دفن کیے گئے۔

ہم نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کی، بعد میں ممنوع احاطے کے باہر ہی سے اس میں مدفون حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اہل خانہ کی زیارت کی اور پھر مسجد میں نمازِ ظہر پڑھی، قرآنِ کریم کی تلاوت کی، اور ایصالِ ثواب کر کے یہاں سے روانہ ہوئے۔

حضرت شمعون علیہ السلام کا مزار

الخلیل سے قدس جاتے ہوئے راستے میں حضرت شمعون علیہ السلام کا مزار بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی جگہ کی زیارت

واپسی میں ایک جگہ پہاڑ پر گئے، بتایا گیا کہ: یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی، آپ کی والدہ حضرت مریم مسجدِ اقصیٰ کے مشرقی جانب چلی گئی تھیں جس کا ذکر قرآن میں ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾

ترجمہ: اور (اے نبی!) تم اس کتاب (قرآن کے خاص حصے) میں مریم کا بھی

تذکرہ کرو، جب وہ اپنے گھر والوں سے الگ ہو کر ایک ایسے مکان (جگہ) میں چلی گئی جو مشرق میں تھا (بیت المقدس کا شرقی حصہ مراد ہے) (از تیسیر القرآن)۔

نوٹ: تفصیل ”قرآن میں آئے ہوئے خواتین کے واقعات“ جلد (۲) میں ہے۔ ہم نے اس مقام کی زیارت کی، لوگ اس کو ”بیت اللحم“ نام سے جانتے پہچانتے ہیں، یہاں بہت بڑا چرچ ہے، وہاں قریب میں ہی ایک مسجد جس کا نام بھی مسجد عمر ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گذرتے ہوئے یہاں نماز ادا فرمائی تھی، اس لیے اس جگہ یاد گیری میں مسجد عمر بنادی گئی ہے۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبر اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر

اٹھائے جانے کی جگہ

قریب میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کی قبر بھی ہے، اس کی زیارت کی، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جہاں سے آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا اس جگہ کو دیکھا، وہاں ایک پتھر ہے جس پر پیروں کے نشانات بنے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ: یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نام نامی کے ساتھ قرآن مجید میں پچیس (۲۵) مرتبہ، لقب ”مسیح“ کے ساتھ گیارہ (۱۱) مرتبہ اور ”ابن مریم“ کی کنیت کے ساتھ تینیس (۲۳) مرتبہ مذکور ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری نبی اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، آپ کی پیدائش معجزانہ انداز میں بغیر باپ کے ہوئی۔

جب یہودیوں نے آپ کی والدہ پر الزام لگایا تو آپ نے گود میں معجزانہ انداز میں کلام کر کے اپنی والدہ کی پاک دامن کی گواہی دی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش کوہ ساعره کے دامن میں ہے، یہ جگہ بیت اللحم کے نام سے مشہور ہے، بعضوں نے جائے پیدائش ”ناصرہ“ کو قرار دیا ہے۔

پیدائش کے بعد سے لے کر نبوت تک عیسیٰ علیہ السلام کہاں رہے، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، قرآن وحدیث میں اس مسئلے پر سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ (البدایہ: ۷۰/۲)

نزول وحی اور دعوت وتبلیغ کا آغاز

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک قول کے مطابق تیس (۳۰) سال کی ہوئی تو ان پر نزول وحی کا آغاز ہوا، اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پورے زور و شور سے دعوت وتبلیغ کا آغاز کر دیا، آپ کی تبلیغ میں حکمت ودانائی کے ساتھ ساتھ احکام الہی پر شدت سے عمل کرنے اور کرانے کا جذبہ بھی پایا جاتا تھا، آپ نے اپنے مواعظ میں ان مذہبی لوگوں کو خاص طور پر ہدف بنایا جنہوں نے مذہب کے نام پر دکان داریاں قائم کر رکھی تھیں۔

خطبہ کوہ

آپ نے اعلان نبوت کے چند دن بعد ایک پہاڑی پر وعظ کیا، جسے خطبہ کوہ (sermon on the mount) کہا جاتا ہے، اس وعظ میں آپ کی تمام تعلیمات کا خلاصہ موجود ہے، پھر جیسے جیسے عوام ان سے متاثر ہوتے گئے، خواص؛ یعنی مذہبی لوگ، کاہن اور فریسی (pharisees) اتنے ہی ان کے مخالف ہوتے گئے؛ کیوں کہ انھیں اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی نظر آرہی تھی۔ (اردو دائرہ معارف الاسلامیہ: ۱۲/۲)

آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت آپ ﷺ کی عمر

جب آپ تینتیس (۳۳) سال کے ہوئے تو ماہِ رمضان میں شبِ قدر میں بیت المقدس سے آسمان پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا؛ گویا اٹھنے کے وقت آپ کی نبوت کو تین سال گزرے تھے، آپ کے بعد حضرت مریم چھ سال زندہ رہیں۔

بنی اسرائیل کی شرارت، آپ ﷺ کی بددعا سے خنزیر بن جانا

روح المعانی میں ہے کہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ: بنی اسرائیل کو جب حضرت عیسیٰ ﷺ نے تبلیغ فرمائی تو وہ ایمان نہ لائے اور آپ سے مقابلہ تو نہ کر سکے؛ البتہ آپ کی شان میں گستاخی شروع کر دی اور آپ کی والدہ محترمہ پر عیب لگانے شروع کر دیے اور آپ کو طرح طرح کی تکالیف دینی شروع کر دیں۔

ایک دن آپ شہر میں گشت لگا رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا، تب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ: اے مولائے کائنات! میں کہاں تک صبر کروں، اب بہتر یہی ہے کہ تو ان کو خنزیر بنا دے۔

آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ وہ سب خنزیر بن گئے، اس واقعے سے لوگوں پر ایک خوف طاری ہو گیا۔

حضرت زکریا ﷺ کا مزار

جس پتھر پر حضرت عیسیٰ ﷺ کے قدم کے نشانات بتلائے جاتے ہیں اور جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ: یہیں سے رفع الی السماء ہوا تھا وہاں قریب میں حضرت زکریا ﷺ کا مزار مبارک بھی ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے مزار کی زیارت

اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر مبارک کی زیارت کی، آپ کے مزار پر یہودی لوگوں کی بڑی بھیڑ رہتی ہے، درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے؛ لیکن جب ہم پہنچے تو یہودی بھی آکر مزار پر کھڑے ہو گئے اور کچھ پڑھنے لگے، شاید وہ بالقصد ایسا کر رہے تھے؛ تاکہ ہماری تلاوت میں خلل ہو۔

آپ کے مزار مبارک کے پاس جانے کے لیے مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ راستے ہیں؛ گویا مرد و عورت کا اختلاط نہ ہو اس کا یہودی بھی اہتمام کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام کا مختصر تعارف

آپ بنی اسرائیل کے مشہور نبی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً پانچ سو سال بعد آپ کی ولادت ہوئی، بیت اللحم سے قریب ”بیت جلا“ نامی بستی میں بچپن گزرا۔ آپ کی بہادری بھی مشہور تھی، باوجود کم سنی کے جالوت کو جو کہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت قدر کا طاقتور تھا، پیتل کی زرہ اور موزے پہنے ہوئے تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کو قتل کر دیا۔

طالوت بادشاہ نے اسی پر اپنی آدھی بادشاہت دے دی اور ان سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت بھی عطا ہوئی۔ قرآن میں آپ کا تذکرہ نو (۹) سورتوں میں سولہ (۱۶) جگہ آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف ادب؛ یعنی رجوع کرنے والے تھے۔ آپ ایک بڑے علاقے کے بادشاہ بھی تھے، آپ کو زبور کتاب عطا ہوئی، آواز بھی مثالی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک اور مختصر تعارف

وہیں قریب میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبر مبارک بھی ہے۔
حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے فرزند اور آپ کی نبوت اور بادشاہت دونوں کے وارث ہوئے۔ قرآن کریم کی سات سورتوں میں سولہ جگہوں پر آپ کا تذکرہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سلطنت عطا فرمائی تھی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی کو نہیں عطا کی گئی۔

جنتی دسترخوان اترنے کی جگہ

ایک جگہ بلندی پر چڑھے تو وہاں لکھا ہوا تھا:
﴿رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ﴾
حضرت داؤد علیہ السلام کی قبر کے بالکل بازو میں یہ جگہ ہے، اس جگہ سے متعلق واقعہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے عرض کیا تھا کہ:
إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ (المائدة)

ترجمہ: جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ مریم کے بیٹے! کیا آپ کے رب ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا بھرا) خوان اتاریں؟

آپ علیہ السلام نے منع فرمایا: ﴿قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (۱۱۴)

ترجمہ: عیسیٰ نے کہا کہ: اگر تم حقیقت میں ایمان والے ہو تو تم اللہ سے ڈرو (یعنی روزی حاصل کرنے کے جو عام ذرائع ہیں وہ اختیار کرو)

حواریں نے کہا: قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَنَطْمِئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَنَّ عَلَيْهِا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾

ترجمہ: وہ (حواری لوگ) کہنے لگے: ہم چاہتے ہیں کہ اس (خوان) میں سے کھاویں اور ہمارے دلوں کو (پورا) اطمینان ہو اور ہم (پہلے سے بھی زیادہ یقین سے) جان لیویں کہ آپ نے ہم سے (اپنے رسول ہونے کے بارے میں جو بھی کہا تھا وہ) سچ کہا تھا اور اس (معجزہ) پر ہم گواہی دینے والوں میں شامل ہو جاویں۔ جب ان کا اصرار دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور درخواست کی:

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

ترجمہ: مریم کے بیٹے عیسیٰ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے رب! آپ ہم پر آسمان سے (کھانے کا بھرا ہوا) خوان اتار دیجیے جو ہمارے لیے یعنی ہمارے پہلے اور بعد (کے زمانے میں آنے) والے سب لوگوں کے لیے عید کا دن رہے اور وہ (خوان) آپ کی (قدرت کی) نشانی ہو جاوے اور آپ ہم کو روزی دیجیے اور آپ تو روزی دینے والوں میں سب سے اچھے ہیں۔ (از تیسر القرآن)

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کی اور دسترخوان اترا۔ اسی جگہ ایک عمارت بنی ہوئی ہے اس میں چاروں طرف دیوار پر یہ آیات لکھی گئی ہیں۔

چنانچہ ساتھیوں کے پاس توشے میں جو کچھ کھانا تھا میں نے کہا: چلو! یہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں، ہمارے پاس ہندوستانی چوڑا، بسکٹ وغیرہ تھا وہی ہم نے کھا لیا۔ پھر جبل صیہون بھی دیکھا۔

دعوت و تبلیغ سے جڑے ہوئے ایک ساتھی کی ملاقات

آگے ۱۶ تاریخ کو دعوت و تبلیغ سے جڑے ہوئے ایک ساتھی سے ملاقات ہوئی جو ہمارے حضرت شیخ الحدیث مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم سے عقیدت و تعلق رکھتے ہیں، وہ مدینہ منورہ میں ملے تھے، ہم ان کے مہمان بنے، انھوں نے کہا کہ: آج میں آپ لوگوں کو زیارت کرواؤں گا۔

یہ شیخ ریاض العجو تھے، وہاں ان کی ”فلافل العجو“ کے نام سے ایک شاندار ریسٹورنٹ ہے، وہاں لے جا کر ہم سے دعا بھی کروائی۔

اسرائیل کا پایہ تخت: تل ابیب کی طرف

وہ ہمیں لے کر اسرائیل کی راجدھانی تل ابیب گئے۔

یہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو عمل میں آنے والی حکومت اسرائیل کا یہ ایک شہر ہے، یہ شہر سمندر کے کنارے پر واقع ہے، اس شہر کا کشادہ اور عالی شان ایئر پورٹ ہے۔

تل ابیب میں دعوت و تبلیغ کا مرکز

ہم سب سے پہلے تل ابیب میں دعوت و تبلیغ کے مرکز پر پہنچے۔

الحمد للہ! تل ابیب میں دعوت و تبلیغ کا مرکز قائم ہو چکا ہے، بالکل ہندوستانی انداز کا سیدھا سادہ مرکز ہے، بستر لگے ہوئے ہیں، مطبخ بھی ہے، اور یہاں سے تل ابیب کا ایئر پورٹ بالکل قریب ہے، تل ابیب میں اس طرح کا مرکز دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حفاظت میں رکھے۔

جب وہاں گئے تو بتایا گیا کہ چند دن پہلے یہاں بہت بڑا اجتماع ہوا تھا جس میں

دنیا بھر سے چھ ہزار لوگوں نے شرکت کی تھی اور تقریباً چھیاسی (۸۶) جماعتیں چلے اور چار مہینے کی روانہ ہوئیں۔

ہم نے شیخ ریاض سے پوچھا کہ: آپ نے تل ابیب جیسی جگہ سے اتنی جماعتیں روانہ کی، کوئی روکنے والا نہیں؟ فرمایا: اللہ ہو المانع، روکنے والا تو اللہ ہے، جب اس نے نہیں روکا تو اب کون روکے گا؟ اس مرکز پر ہم نے ظہر و عصر پڑھی۔

”لد“ شہر

مرکز سے پہلے ہم ”لد“ شہر گئے، لد فلسطین کا پائے تخت تھا، الرملہ کی بنا کے بعد ویران ہو گیا، اس پرانے شہر کے ارد گرد کا علاقہ بھی ”لد“ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ ﷺ نے قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کی تفصیلات ارشاد فرمائی ہیں، اعلیٰ درجہ کی صحیح سندوں کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے، اسے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ایک ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، اس میں آل حضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

فَيَطْلُبُهُ حَتَّى يَدْرِكَهُ بَبَابٍ لَّدَ فَيَقْتُلُهُ.

ترجمہ: سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے یہاں تک کہ اسے لد کے دروازے پر جا کر قتل کر دیں گے۔

باب لد پر لکھا ہوا جملہ: هُنَا يَخْرُجُ مَلِكُ السَّلَامِ

باب لد پر اسرائیلی انتظامیہ نے لکھا ہوا ہے کہ: هُنَا يَخْرُجُ مَلِكُ السَّلَامِ.

ترجمہ: سلامتی کا بادشاہ (دجال) یہاں ظاہر ہوگا۔

دجال کا تعارف

دجال قومِ یہود میں سے ہوگا، عوام میں اس کا لقب ”مسیح“ ہوگا، دائیں آنکھ میں پھلی ہوگی، گھونگر دار بال ہوں گے، اس کی پیشانی پر ”ک، ف، ر“ لکھا ہوا ہوگا، جس کو ایمان والے پڑھ لیں گے، سواری میں ایک بہت بڑا گدھا اس کے ساتھ ہوگا، اس کی آمد قیامت کی سب سے بڑی نشانیوں میں سے ہے۔

دجال صرف چالیس دن دنیا میں رہے گا

دجال کا صرف چالیس دن دنیا میں قیام رہے گا، جن میں سے پہلا دن ایک سال کے دنوں کے برابر بڑا ہوگا، دوسرا ایک مہینے کے دنوں کے برابر، تیسرا دن ایک ہفتے کے دنوں کے برابر، باقی سینتیس (۳۷) دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

نبوت و خدائی کا دعویٰ

عراق و شام کے درمیان ظاہر ہو کر نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے گا، پھر وہاں سے اصفہان چلا جائے گا، یہاں اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے، یہیں سے خدائی کا دعویٰ کر کے چاروں طرف فساد برپا کرے گا اور زمین کے اکثر مقامات پر گشت کر کے اپنے آپ کو خدا کہلوائے گا۔

لوگوں کی آزمائش کے لیے خرقِ عادت چیزوں کا ظہور

لوگوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ اس سے خرقِ عادت باتیں ظاہر کرائے گا، اس کے ساتھ ایک آگ ہوگی جس کو دوزخ سے تعبیر کرے گا اور ایک باغ ہوگا جو جنت

سے موسوم ہوگا، مخالفین کو آگ میں اور موافقین کو جنت میں ڈالے گا؛ مگر وہ آگ در حقیقت باغ کے مانند ہوگی اور باغ آگ کی خاصیت رکھتا ہوگا، نیز اس کے پاس کھانے پینے کے سامان کا بڑا ذخیرہ ہوگا، جس کو چاہے گا دے گا۔

جو فرقہ اس کی خدائی کو تسلیم کر لے گا تو اس کے لیے اس کے حکم سے بارش ہوگی، اناج پیدا ہوگا، درخت پھل دار، مویشی موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے، اور جو فرقہ اس کی مخالفت کرے گا تو اس سے اشیائے مذکورہ بند کر دے گا اور اسی قسم کی بہت سی ایذائیں مسلمانوں کو پہنچائے گا؛ مگر خدا کے فضل سے مسلمانوں کو تسبیح و تہلیل کھانے پینے کا کام دے گی۔

اس کے خروج سے دو سال پیشتر قحط پڑ چکا ہوگا، تیسرے سال دورانِ قحط ہی میں اس کا ظہور ہوگا، زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس ساتھ ہو جائیں گے۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ: میں تمہارے مردہ باپوں کو زندہ کر دوں؛ تاکہ تم میری اس قدرت کو دیکھ کر میری خدائی کا یقین کر لو، اس کے بعد شیاطین کو حکم دے گا کہ زمین میں سے ان کے ماں باپوں کے ہم شکل ہو کر نکلو؛ چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

مکہ اور مدینہ میں داخلہ سے روک دیا جائے گا

اسی طرح بہت سے ممالک پر اس کا گزر ہوگا؛ یہاں تک کہ جب وہ یمن کی سرحد پر پہنچے گا اور بدین لوگ بکثرت اس کے ساتھ ہو جائیں گے تو وہاں سے لوٹ کر مکہ معظمہ کے قریب مقیم ہو جائے گا؛ مگر فرشتوں کی حفاظت کی وجہ سے مکہ معظمہ میں داخل نہ ہو سکے گا، پھر وہاں سے مدینہ منورہ کا قصد کرے گا، اس وقت مدینہ منورہ کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی محافظت کے لیے خداوندِ کریم دو فرشتے متعین

فرما دے گا، جن کے ڈر سے دجال کی فوج شہر میں داخل نہ ہو سکے گی، نیز مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس کی وجہ سے بد عقیدہ منافق جیسے لوگ ڈر کی وجہ سے بھاگ کر دجال کے جال میں پھنس جائیں گے۔

ایک بزرگ کا دجال سے مناظرہ

اس وقت مدینہ منورہ میں ایک بزرگ ہوں گے، جو دجال سے مناظرہ کرنے کے لیے نکلیں گے، دجال کی فوج کے قریب پہنچ کر پوچھیں گے کہ: دجال کہاں ہے؟ وہ ان کی گفتگو خلافِ ادب سمجھ کر ان کے قتل کا ارادہ کریں گے؛ مگر بعض لوگ قتل سے منع کریں گے اور کہیں گے: کیا تم کو معلوم نہیں کہ ہمارے تمہارے خدا (دجال) نے منع کیا ہے کہ بغیر میری اجازت کے کسی کو قتل نہ کرنا۔

پھر وہ دجال کے سامنے جا کر بیان کریں گے کہ: ایک گستاخ شخص آیا ہے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔

دجال ان کو اپنے پاس بلائے گا، جب وہ بزرگ دجال کو دیکھیں گے تو فرمائیں گے: میں نے تجھے پہچان لیا ہے، تو وہی ملعون دجال ہے جس کی پیغمبرِ خدا حضرت محمد ﷺ نے خبر دی تھی اور تیری گمراہی کی حقیقت بیان فرمادی تھی۔

دجال غصے میں آ کر کہے گا کہ: اس گستاخ کو آرے سے چیر دو۔

حکم ملتے ہی ان بزرگ کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں گے، پھر دجال ان دو ٹکڑوں کے درمیان سے نکل کر لوگوں سے کہے گا کہ: اگر اب میں اس مردے کو زندہ کر دوں تو تم میری خدائی پر یقین کرو گے؟

لوگ کہیں گے کہ: ہم تو پہلے ہی سے آپ کی خدائی پر یقین کیے ہوئے ہیں اور کسی

قسم کا شک و شبہ دل میں نہیں رکھتے ہیں، ہاں! اگر ایسا ہو جائے تو ہم کو مزید اطمینان ہو جائے گا۔ پس وہ دونوں ٹکڑوں کو جمع کر کے زندہ ہونے کا حکم دے گا؛ چنانچہ وہ خداوندِ قدوس کی حکمت و ارادے سے زندہ ہو کر کہیں گے: اب تو مجھ کو پورا یقین ہو گیا کہ تو وہی مرد و دجال ہے جس کی خبر مخبرِ صادق پیغمبرِ خدا حضرت محمد ﷺ نے دی تھی۔

دجال جھنجھلا کر اپنے معتقدین کو حکم دے گا کہ: اس کو ابھی ذبح کر دو۔ پس وہ لوگ ان کی گردن پر چھری پھیریں گے؛ مگر اس سے ان کو ذرہ برابر بھی تکلیف نہ ہوگی، جس سے دجال کو شرمندگی ہوگی، اور شرمندگی کی حالت میں وہ ان کو اپنی اس آگ میں ڈال دے گا جس کا بیان ابھی ہو چکا ہے، وہ آگ خدا کی قدرت سے ان کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جائے گی۔

اس کے بعد دجال کسی مردے کے زندہ کرنے پر قدرت نہ پائے گا اور یہاں سے ملکِ شام کی جانب روانہ ہو جائے گا۔

یہودیوں کے غرقِ نامی درخت کے اگانے کی مہم کی وجہ

ایک ایسا وقت آنے والا ہے جب یہودیوں کے لیے زمین تنگ ہوگی اور وہ درختوں اور پتھروں سے پناہ مانگنے پر مجبور ہو جائیں گے؛ لیکن ان درختوں اور پتھروں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے گویائی عطا ہوگی اور وہ یہودیوں کا پیچھا کرنے والے مسلمانوں سے کہیں گے کہ: ان کی اوٹ میں یہودیوں نے پناہ لی ہے؛ جب کہ غرقِ نام کی واحد خاں دار جھاڑی ہی ایک ایسا درخت ہوگا جو اس گویائی کی قوت سے محروم ہوگا اور یہودی ان کی اوٹ میں پناہ لینے کی کوشش کریں گے۔

یہودیوں کو اس حدیث پر اتنا اعتبار ہے کہ انھوں نے پورے اسرائیل میں بڑے پیمانے پر غرقہ نام کے یہ درخت اگائے ہیں اور اسرائیل کی یہ کوشش ہے کہ وہ دنیا میں اپنے حلیف ممالک میں ان درختوں کی وسیع پیمانے پر شجرکاری کرے۔

دجال کے قتل ہونے کی جگہ کی زیارت

یہ ساری چیزیں پڑھ سن رکھی تھی؛ اس لیے اسے دیکھنے کی بڑی ٹرپ تھی، میں نے شیخ ریاض سے کہا: میں تو دجال کے قتل ہونے کی جگہ دیکھنا چاہتا ہوں۔
چناں چہ وہ ہمیں باب لد پر لے گئے، وہاں ایک عجیب ڈراؤنا درخت ہے، کہتے ہیں کہ: دجال اسی درخت کے پیچھے چھپے گا اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اس کو قتل کریں گے۔

وہ کنواں جس میں قتل کے بعد دجال کو ڈالا جائے گا

باب ”لد“ ہی کے مقام پر ایک کنواں ہے، کہتے ہیں کہ جس میں دجال کو قتل کرنے کے بعد ڈالا جائے گا، یہودی شہری انتظامیہ نے وہاں سے ایک سڑک گزارنے کے لیے اس کنویں کو ختم کرنا چاہا؛ مگر بلڈوزروں اور طرح طرح کی مشینوں سے بھی اس کنویں کو راستے سے ہٹایا نہ جاسکا، مجبوراً سڑک وہاں سے ہٹ کر گزاری پڑی، لگتا ایسا ہے کہ یہ قدرتی نظام ہے۔

وہاں اب یہ لکھا ہوا ہے: ”ہذا مکان تاریخی“۔ یعنی یہ ایک تاریخی مقام ہے۔
نوٹ: مزید تفصیل کے لیے بندے کی کتاب ”قیامت کی نشانیاں“ اور ”نزول عیسیٰ کب؟ کہاں اور کیسے؟“ کا مطالعہ فرمائیں۔

عمواس شہر کی زیارت

اغوار کا علاقہ دو حصوں میں بٹا ہوا ہے، کچھ حصہ اردن میں ہے، جب کہ زیادہ تر حصہ فلسطین میں، فلسطین والے اغوار کے علاقے میں کئی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات ہیں، جو ”طاعونِ عمواس“ میں شہید ہوئے ہیں، عمواس یہاں ایک بستی کا نام ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ مشہور طاعون اسی بستی سے شروع ہوا تھا، اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہو گئی تھیں۔

چنانچہ ہم اصل عمواس شہر۔ جہاں حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت شہید ہوئی تھی اس۔ کو دیکھنے کے لیے پہاڑ پر چڑھے، یہ پورا جنگل کا علاقہ ہے جو اسرائیل کے قبضے میں ہے، وہاں پہاڑی پر ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہے جس پر انگریزی اور عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ یہاں آئے تھے اور تقریباً پچیس (۲۵) ہزار صحابہ و تابعین اسی جگہ انتقال فرما گئے تھے۔

طاعونِ عمواس میں شہید ہونے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات پر

شیخ ریاض نے کہا: ذرا جھاڑیوں میں چلو، پھر میں تمہیں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزارات دکھاتا ہوں۔

چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے چالیس بیٹے جو یہاں طاعون میں انتقال کر گئے تھے ان کے مزارات ہیں۔ اور ان کے علاوہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت یہاں مدفون ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مزار پر دعا کا عجیب منظر

سخت دھوپ میں کھڑے کھڑے ہم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو نہ دھوپ محسوس ہوئی نہ پیاس، عجیب سکون اور رحمت کی بارش محسوس ہوتی ہے، تمام ساتھیوں کو بہت رونا آ رہا تھا کہ اے اللہ! یہ صحابہ کرام تیرے دین کے لیے یہاں آ کر سو گئے ہیں، قیامت تک ابدی آرام میں میٹھی نیند میں سو گئے۔

”لد، عمواس“ وغیرہ کی زیارت کرنے کے بعد ”شیخ ریاض“ کے یہاں دوپہر کا کھانا کھایا۔

عربوں کے یہاں تو دو تین بیویوں کا عام رواج ہے، تو انھوں نے اس دن اپنی دوسری بیوی کے یہاں ہماری شان دار دعوت کروائی، اس کے بعد کہنے لگے کہ: میں آپ کو واپسی سے پہلے ایک اور جگہ لے جانا چاہتا ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت

پھر اس شہر کے باہر ایک جگہ ہے وہاں ہم کو لے گئے، وہاں پر ایک اونچا مینارہ ہے اور ایک میدان ہے، سمجھو کہ ٹاور کی طرح ہے، وہاں جا کر پتا چلا کہ اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا مزار بتایا جاتا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم پر جو عذاب آیا وہ علاقہ تو اس وقت سعودی کی سرحد میں آتا ہے؛ لیکن عذاب کے بعد ایک قول کے مطابق حضرت صالح علیہ السلام ہجرت کر کے یہاں پر تشریف لائے تھے اور زندگی کے آخری ایام یہاں پر گزارے تھے اور یہیں پر ان کی وفات ہوئی تھی۔

امام الحدیث ”امام نسائی“ کے مزار کی زیارت

جب حضرت صالح علیہ السلام کی قبر سے چند قدم چلتے ہیں تو مشہور امام الحدیث ”امام نسائی“ کا مزار آتا ہے، آپ بھی وہیں پر آرام فرما رہے ہیں، ہم ان مقدس ہستیوں کے مزارات کی زیارت کرنے کے بعد ہماری عارضی قیام گاہ ہوٹل آگئے۔

شیخ ریاض ابھی (۲۰۱۷ء) بھارت دو ماہ جماعت میں تشریف لائے تھے، انھوں نے بتایا کہ: آپ کی جماعت میرے گھر آئی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے یہاں ایک بیٹا عطا فرمایا تو میں نے دل میں سوچا: یہ آپ کی جماعت کی آمد کی برکت ہے۔

۱۷ اتر تاریخ اس سفر کا آخری دن

۱۷ اتر تاریخ کو ہمارے فلسطین کے سفر کا آخری دن تھا، ہم نے اس دن کے سفر کے بارے میں پوچھا تو ہم کو بتایا گیا کہ: یروشلم سے بہت دور جہاں اسرائیل بھی پورا ہو جاتا ہے بالکل آخری کنارے پر جہاں سے شام کی سرحدیں شروع ہو جاتی ہیں وہاں جانا ہے۔ حسب معمول یہاں بھی ہم نے ہوٹل کو صبح سویرے الوداع کہہ دیا۔

حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا گاؤں ”ناصرہ“

درمیان میں ”قریہ ناصرہ“ نامی ایک جگہ آئی، اس کی آبادی ایک لاکھ کے لگ بھگ ہے، ایک قول کے مطابق حضرت مریم رضی اللہ عنہا کا تعلق ناصرہ ہی سے تھا، ناصرہ کی نسبت ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نصاریٰ کہلاتے ہیں، بیت المقدس سے ناصرہ کا فاصلہ تقریباً سو (۱۰۰) کلومیٹر شمال کی طرف ہے۔

پورے گاؤں میں بس چرچ ہی چرچ ہیں، ہم ”قریہ ناصرہ“ کے قریب سے

(یعنی بائے پاس سے) گزرے، میں نے کہا کہ: اندر تو جانا نہیں ہیں؛ کیوں کہ اور بھی بہت سے پروگرام ہیں۔

یافہ اور حضرت یونس علیہ السلام

راستے میں ایک جگہ یافہ ہے، یہ فلسطین کا ایک ساحلی شہر ہے، یہ وہ جگہ ہے جہاں سے حضرت یونس علیہ السلام ترتیش (تیونس) جانے کے لیے کشتی میں سوار ہوئے، اور سمندر میں ڈالے جانے کا واقعہ پیش آیا، پھر آپ علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس (۴۰) دن استغفار کرتے رہے جس کی برکت سے آپ کو مچھلی کے پیٹ سے نجات ملی۔

ساحل سمندر پر ہماری حاضری ہوئی، نیچے ایک مسجد بھی ہے، کہتے ہیں کہ: وہاں سے حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں روانہ ہوئے تھے۔

مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو کون سے دریا کے کنارے اگلا اس بارے میں دو قول ملتے ہیں: ① دجلہ کے کنارے ② دریائے یافہ کے کنارے۔

جن ایام میں حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے تو مچھلی انھیں لے کر مختلف سمندروں میں گھومی، پھر دریائے کنارے انھیں اُگل دیا۔

روایت میں آتا ہے کہ: جس مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو پیٹ میں رکھا تھا اسے نجم کہتے ہیں۔

یافہ کا وہ غار جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یافہ کے اس سمندر کے کنارے جب مچھلی نے ۴۰ دن کے بعد حضرت یونس علیہ السلام کو اُگل دیا تو اس غار میں حضرت یونس علیہ السلام نے کمزوری کی وجہ سے قیام فرمایا تھا، اس غار کو ”گوا“ کہتے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام کا مزار

حضرت یونس علیہ السلام کی قبر کے بارے میں بھی مختلف روایات ہیں:

① فلسطین کے شہر الخلیل سے چار میل کے فاصلہ پر قریہ ”حلحول“ میں آپ کا مزار مقدس بتایا جاتا ہے۔

② دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کی قبر عراق میں موصل (سابقہ نینوا) کے مقام پر دریائے دجلہ کے کنارے ہے۔

محققین اسی علاقے کو حضرت یونس علیہ السلام کا علاقہ قرار دیتے ہیں اور مچھلی کے پیٹ میں چلے جانے والا واقعہ بھی وہیں پیش آیا تھا، جب کہ خبروں کے علاقے میں نہ تو کوئی سمندر ہے اور نہ کوئی سمندر، بحیرہ مردار بھی وہاں سے کوئی تیس میل دور ہے؛ لیکن اس سمندر میں مچھلیاں کیا کوئی بھی زندہ چیز موجود نہیں۔

ان دونوں جگہوں میں سے حضرت یونس علیہ السلام کہاں مدفون ہیں؟ اس کی حقیقت صرف اللہ ہی کے علم میں ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کے مزار مبارک کی زیارت

راستے میں حضرت الیاس علیہ السلام کا مزار مبارک آیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا مزار کہاں ہے اس بارے میں تین قول ملتے ہیں:

① کہیں بھی مدفون نہیں؛ بلکہ آپ کو آسمان پر اٹھالیا گیا ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔

② آپ بعلبک میں مدفون ہیں۔ ③ بیت المقدس کے قریب الخلیل جانے والے راستے میں سڑک کے کنارے آپ مدفون ہیں۔

دوسرے قول کی تائید میں مورخین کے اقوال ملتے ہیں؛ چنانچہ بلادِ شام و فلسطین کے مصنف لکھتے ہیں کہ: بعلبک حمص و دمشق کے درمیان ایک چوڑا میدان ہے جس میں بہت سے دیہات آباد ہیں اور جا بجا پانی کے چشمے موجود ہیں، اس جگہ میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قبر ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی یادگار میدانِ جنگ

قدس اور تل ابیب سے جب طبریہ جاتے ہیں تو قریہ ناصرہ کے بعد وہ یادگار تاریخی میدان سے گزرنا ہوتا ہے جہاں اسلام کے بہت بڑے جرئیل سلطان صلاح الدین ایوبی کی عیسائیوں سے بڑی جنگ ہوئی تھی اور اسی جنگ کے نتیجے میں آپ نے قدس کو فتح کیا تھا، راستے کی بائیں جانب چھوٹے ٹیلے اور کھلے میدان پر مشتمل یہ پورا علاقہ ہے، جو ”حطین“ کے نام سے موسوم ہے، جب گاڑی میں سے اس کی زیارت ہوتی ہے تو انسان ماضی کی یادوں میں کھوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس وقت پھر قدس مقدس پر کسی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور کسی صلاح الدین ایوبی کا انتظار ہے۔

بحیرہ طبریہ کی طرف

اس کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہوئے اور کافی دیر کے بعد ہم آج کی اصل زیارت ”بحیرہ طبریہ“ پہنچے، ”بحیرہ طبریہ“ کیا چیز ہے؟

طبریہ شہر

فلسطین کا یہ شہر بحیرہ طبریہ کے مغربی کنارے واقع ہے، اس کی آبادی پچیس تیس ہزار ہے، اسے ۱۳ھ میں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا، بیت المقدس

سے طبریہ تیز رفتار گاڑی میں تقریباً ڈھائی سے تین گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

بحیرہ طبریہ: جہاں عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے معجزات دکھائے

بحیرہ طبریہ کی لمبائی طول تیرہ میل (۲۱ کلومیٹر) اور چوڑائی آٹھ میل (۱۳ کلومیٹر) کے قریب ہے، یہ ایک وسیع تالاب سے مشابہ ہے جس کے چاروں طرف پہاڑ کھڑے ہیں، بہت سی ندیاں اس میں گرتی ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کے ساتھ بہت سا وقت درس و تدریس میں گزارا اور اس دریا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پانی پر چلنے کا معجزہ بھی روایات میں نظر آتا ہے۔

یا جوج ماجوج بحیرہ طبریہ کا پورا پانی پی جائیں گے

احادیث مبارکہ میں دو جگہ اس بحیرہ طبریہ کا ذکر ملتا ہے:

① یا جوج ماجوج۔ جو کھانے پینے والی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ: قرب قیامت میں جب یا جوج ماجوج نکلیں گے اور بحیرہ طبریہ پر پہنچیں گے تو ان کے لشکر کا اگلا حصہ اس کا سارا پانی پی جائے گا، جب آخری حصہ وہاں پہنچے گا تو انھیں وہاں پانی نہیں ملے گا۔

بحیرہ طبریہ کا خشک ہو جانا دجال کے نکلنے کی ایک علامت

② مسلم شریف میں کہ جب حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی دجال سے ملاقات ہوئی تھی۔ جس کا پورا واقعہ حدیث میں موجود ہے۔ تو اس وقت دجال نے خود پوچھا تھا کہ: ”طبریہ“ میں پانی ہے یا خشک ہو گیا؟

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ: ہاں! ابھی موجود ہے۔

دجال نے کہا کہ: ایک وقت آئے گا کہ اس کا پانی سوکھ جائے گا اور جب اس کا پانی خشک ہو جائے گا تو میرے ظہور کا وقت قریب آ جائے گا۔

اس وقت بحیرہ طبریہ کی حالت: پانی سوکھ رہا ہے

اس وقت اس کا پانی سوکھ رہا ہے اور بہت سوکھ گیا ہے اور اب حکومت دوسری طرف سے پانی لالا کر پائپوں کے ذریعہ اس جھیل میں ڈال رہی ہے؛ تاکہ وہ سوکھ نہ جائے؛ لیکن تب بھی وہ قدرتی طور پر سوکھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

بحیرہ طبریہ سے مزید بائیں طرف ہٹ کر فلسطین کی پہاڑیاں ہیں، ان پر بھی ہماری شامتِ اعمال سے اسرائیل کا قبضہ ہے۔

بہر حال! ہم نے اس کے کنارے پر ظہر اور عصر کی نماز پڑھیں اور میں نے ساتھیوں کو پوری حدیث بھی سنائی، اور بحیرہ طبریہ کی شاندار مچھلیاں وہاں ریسٹورنٹ میں کھائی اور آرام کیا۔

میسان کا نخلستان

اس کے بعد ہم لوگ وہاں سے نکلے؛ کیوں کہ آج رات تک میں ہم کو جو رڈن (Jordan) پہنچنا تھا، میں نے ان کو کہا کہ: مجھ کو تو ”میسان کا نخلستان“ دیکھنا ہے اور ”عین زغر“ بھی دیکھنا ہے؛ کیوں کہ ان دونوں کا ذکر حدیث میں آیا ہیں۔

طبریہ کے علاقے سے واپسی پر جنوب کی طرف جاتے ہوئے راستے میں دائیں جانب اسرائیل کا مقبوضہ علاقہ آتا ہے، وہاں بہت سے باغات بھی ہیں، وہیں ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) ہے، جس کا نام ”میسان“ ہے، یہ بھی اسرائیل کے قبضے

میں ہے۔ اس باغ کے بارے میں مشہور صحابی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث اور آل حضرت رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کی توثیق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرب قیامت میں اس کا پھل آنا بند ہو جائے گا، اس باغ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ: یہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، یہودیوں نے اسے دوبارہ تیار کیا ہے۔

میں نے گائڈ سے اصرار کیا تو اس نے کہا کہ: میں تم کو جلدی جلدی لے تو جاتا ہوں؛ لیکن اگر بارڈر (Border) بند ہو گئی تو تم جانو۔
میں نے کہا کہ: ان شاء اللہ! کچھ نہیں ہوگا۔

بیسان کے متعلق حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے دجال کا سوال

ہم چلے اور ”بیسان“ پہنچے اور یہ پورا ”بیسان“ کھجوروں کی باڑیوں سے بھرا ہوا ہے، اس کے بارے میں مسلم شریف میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کو خود دجال نے سوال کیا تھا کہ: بیسان کے کھجور کے درخت پر کھجور لگ رہے ہیں یا نہیں؟
آپ نے فرمایا تھا کہ: ہاں! کھجور آرہے ہیں۔

اس وقت دجال نے کہا تھا کہ: ایک وقت آئے گا کہ اس پر پھل اور کھجور آنا بند ہو جائے گا اور جب اس پر کھجور آنا بند ہو جائے گا تو میرے ظہور کا وقت قریب آجائے گا۔

اس وقت بیسان کا حال: کہیں پر کھجور نظر نہیں آئے

سننا تھا کہ اندر جانے کی تو اجازت نہیں دیتے؛ اس لیے ہم ”بیسان“ کے پاس سے گزرے تو صحیح؛ لیکن اندر جو ”نخلستان“ ہے اس میں جانے کی اجازت نہ ہونے کے بنا پر ہم دور ہی سے بس میں بیٹھے بیٹھے کھجور کے درخت دیکھتے رہے؛ لیکن کہیں پر بھی کھجور

نظر آئے نہیں، تو اب ایسا لگتا ہے کہ دجال کے ظاہر ہونے کا وقت قریب ہے۔ وہاں ایک دکان تھی وہاں رک کر ساتھی لوگ فارغ بھی ہوئے اور کچھ چیزیں خریدی اور اتنی دیر میں دکان کے مالک سے بیسان کے متعلق باتیں پوچھتے رہے۔

عین زغر

”زغر“ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی بیٹی کا نام ہے اور اسی کے نام سے پانی کا چشمہ جاری ہوا ہے اور اس چشمے کے بارے میں بھی دجال نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ: زغر کے چشمے میں پانی ہے یا نہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ہاں! ہے۔

دجال نے کہا تھا کہ: لوگ اس سے کھیتی کرتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

دجال نے کہا کہ: ایک وقت آئے گا کہ اس چشمے کا پانی سوکھ جائے گا اور اس وقت میرے نکلنے کا وقت قریب آجائے گا۔

یہیں پر آ کر وہ اردن ندی ”بحیرہ طبریہ“ سے ملتی ہے۔

طالوت اور جالوت کے جنگ کا میدان اور امام طبرانی کا وطن

یہیں پر طالوت اور جالوت کے جنگ کا میدان بھی ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے:

فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ. (البقرة)

ترجمہ: پھر انھوں نے (یعنی طالوت اور ان کے ساتھیوں نے) ان (جالوت اور

اس کی فوج) کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہرا دیا اور داؤد (علیہ السلام) نے جالوت کو قتل کر دیا۔

آپ کو ایک عجیب بات بتاؤ: جہاں پر طبریہ کا سمندر ہے وہیں قریب ہی میں امام طبرانی بھی پیدا ہوئے، جن کی مشہور کتاب ”المعجم“ ہے۔

جنگِ یرموک کا میدان

یہیں آ کر دریائے اردن بحیرہ طبریہ میں ملتا ہے، اور اسی علاقے میں دریائے اردن کے کنارے میدانِ یرموک ہے، یہ وہ میدان ہے جہاں جنگِ یرموک کا عظیم الشان معرکہ ہوا ہے۔

سن تیرہ ہجری ربیع الاول کے مہینے میں صحابہ کی جماعت یرموک پہنچی تھی، دشمنوں کی پوزیشن تعداد کے اعتبار سے بھی بہت بہتر تھی اور جائے وقوع کے اعتبار سے بھی انھوں نے بہت اچھی جگہ پر قبضہ کیا تھا، پشت کی طرف جولان کی پہاڑیاں تھیں اور ایک طرف دریائے اردن تھا، بہر حال! اللہ تعالیٰ نے چالیس ہزار اہل ایمان کو کامیاب فرمایا اور دولاکھ چالیس ہزار رومیوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

اس تاریخی میدان کا کچھ حصہ دیکھتے ہوئے گزرے، جولان کی پہاڑیوں پر شام کی سرحدی فوج کی چوکیاں بنی ہوئی ہیں اور شام کے جھنڈے لہراتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

بہر حال! ان تمام جگہوں کی زیارت کرنے کے بعد ہم شام کو بورڈر پر پہنچ گئے اور ہماری جورڈن واپسی ہو گئی، یہ پانچ دن فلسطین اور جورڈن کا سفر میں نے آپ کے سامنے مختصر عرض کر دیا، اللہ تعالیٰ اس مبارک سرزمین کے سفر کو قبول فرمائے اور امت کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

مجموعی تاثرات

اس سفر میں جہاں جانے کا اتفاق ہوا تو محسوس ہوا کہ عامۃً مسلمان مالی اعتبار سے افلاس کا شکار ہیں، کم لوگ مال دار نظر آئے، ایک طبقہ درمیانی حالت رکھنے والا بھی ملا۔ دینی ماحول بھی قابلِ فکر ہے۔

قدس کے احاطے میں مسجد اقصیٰ کے قریب مقدس مقامات پر چند نوجوان کھیل میں بھی مشغول نظر آئے جس سے ہمارے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا چونکہ ہمارے یہاں مقدس مقامات کے بارے میں کچھ اور ہی تصور ہے۔

یہ بھی محسوس ہوا کہ کاش ہمارے طرز کے چند دارالعلوم اور محلہ محلہ مکاتب کا نظام شروع ہو جائے اور دعوت کی محنت ہو تو ماحول میں بڑی تبدیلی ہو سکتی ہے۔

حالات سے خوف و ہراس اور ناامیدی ان فلسطینی بھائیوں میں کم ہی محسوس ہوئی، کوئی اللہ کا بندہ وہاں پورے توجہ اور داعیانہ صفات سے متصف ہو کر دعوت الی اللہ کی خدمت انجام دے اور تبلیغ کے ساتھ مکاتب و مدارس کی بنیاد ڈالے تو بڑی حد تک فضا بدل سکتی ہے۔

اللہ کرے چند ایسے صاحبِ دل، فکر مند اور دلی درد رکھنے والے چند افراد پیدا ہو جائیں اور اپنا مقصدِ حیات ہی ان کی اصلاح و ہدایت کو بنالیں تو اس بابرکت سرزمین کے انوارات سے بہت جلد اچھے نتائج کی امید کی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کی کوئی صورت پیدا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین